الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

عقل مند انسان وہ ہے جو ——————

اپنے حق سے کم لینے پر راضی ہو جائے ، اور
دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے پر تیار رہے

قیمت فی پرچہ ——— تین ۳ روپے

الرسالہ

ستمبر ۱۹۸۱

شمارہ ۵۸

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ کو کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو خریداری کے کام کو صرف اس لئے چھوڑ دے کہ چیزوں کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ چیزوں کے دام بڑھ رہے ہیں۔ مگر بازار میں خریداروں کی بھیڑ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

تاہم ایسے لوگ ہیں جنھوں نے صرف اس لئے الرسالہ کی خریداری بند کر دی ہے کہ اس کی قیمت میں گرانی کے سبب سے ایک روپیہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ایسے لوگوں سے ہم کہیں گے کہ الرسالہ کا خریدنا کوئی بازار کا سودا خریدنے کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ دعوتِ حق کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے۔ اسلام کی ایک تاریخ وجود میں آرہی ہے۔ اب جو شخص چاہے اس تاریخ کا جزء بن جائے۔ اور جو شخص اس کا جزء بننے کے لئے تیار نہ ہو وہ خود سوچ لے کہ جس مہنگائی کو وہ اپنے دنیا کے معاملات میں پوری طرح گوارا کئے ہوئے تھا اسی مہنگائی کو آخرت کے معاملہ میں گوارا نہ کرنے کے لئے اس کے پاس خدا کے یہاں کیا جواب ہوگا۔

زرتعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دو سو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

تضاد ختم ہوگا

میں آبادی سے دور ایک پہاڑ کے سامنے کھڑا تھا۔ سرسبز درخت میرے سامنے پھیلے ہوئے تھے۔ چڑیوں کی بولیاں کانوں میں آرہی تھیں۔ مختلف قسم کے جانور چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے اوپر عجیب تاثر ہوا۔ کیسا عظیم اور کیسا کامل ہوگا وہ خدا جس نے اتنی بڑی دنیا بنائی اور پھر اس کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کے بنائے ہوئے نقشہ کی انتہائی پابند رہتے ہوئے حرکت کرے۔

کتنی حسین اور کتنی معصوم ہے یہ دنیا۔ یہاں چڑیاں وہی آوازیں نکالتی ہیں جو ان کے خالق نے انھیں سکھایا ہے۔ یہاں بلی اور بکری بالکل اسی طرح اپنا اپنا رزق کھاتے ہیں جو پیدائشی طور پر ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہاں درخت عین اسی منصوبہ کے مطابق اُگتے اور بڑھتے ہیں جو ازل سے ان کے مالک نے ان کے لئے متعین کر دیا ہے۔ یہاں دریا ٹھیک اسی قانون کے مطابق رواں ہوتا ہے جو اس کے لئے ابدی طور پر مقدر ہے۔ خدا کی کائنات انتہائی کامل مجموعہ ہے اور یہاں کی ہر چیز ادنیٰ انحراف کے بغیر عین اسی طرح عمل کرتی ہے جس کا حکم اس کے خدا نے اسے دے رکھا ہے۔

مگر انسان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اپنے منھ سے ایسی آوازیں نکالتا ہے جس کی اجازت اس کے خدا نے اسے نہیں دی۔ وہ ایسی چیزوں کو اپنا رزق بناتا ہے جس سے اس کے مالک نے اس کو روک رکھا ہے۔ وہ اپنے سفر حیات کے لئے ایسے راستے اختیار کرتا ہے جہاں کاتب ازل نے پیشگی طور پر اس کے لئے لکھ دیا ہے کہ "یہاں سے گزرنا منع ہے"۔ انسان خدا کی کائنات کا بہت چھوٹا حصہ ہے۔ مگر وہ عظیم کائنات کے مجموعی نظام سے بغاوت کرتا ہے، وہ خدا کی اصلاح یافتہ دنیا میں فساد برپا کرتا ہے۔

یہ خدا کی بے تضاد دنیا میں تضاد کو دخل دینا ہے۔ یہ ایک ہم آہنگ مجموعہ میں بے آہنگی کا جوڑ لگانا ہے۔ یہ ایک حسین تصویر میں بدصورتی کا دھبہ ڈالنا ہے۔ یہ ایک کامل دنیا میں ناقص چیز کا اضافہ کرنا ہے۔ یہ فرشتوں کی سرگرمیوں کے ماحول میں شیطان کو سرگرم ہونے کا موقع دینا ہے۔

خدا کی قدرت اور اس کے حسن ذوق کا ثبوت جو عظیم تر کائنات میں ہر لمحہ نظر آتا ہے وہ اس گمان کی تردید کرتا ہے کہ یہ صورت حال اسی طرح باقی رہے۔ خدا کی قدرت یقیناً اس ظلم کی اجازت نہیں دے سکتی۔ خدا کا حسن ذوق ہرگز اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ضرور ہے کہ وہ دن آئے جب کائنات کا یہ تضاد ختم ہو، خدا کی مرضی انسانی دنیا میں بھی اسی طرح پوری ہونے لگے جس طرح وہ بقیہ دنیا میں پوری ہو رہی ہے۔

عید الفطر

عید الفطر کے لفظی معنی ہیں افطار کی عید۔ یعنی روزہ ختم کرنے اور کھانے پینے کی عید۔ یہ اسلام کا سالانہ تیوہار ہے جو رمضان کے مہینے کے فوراً بعد شوال کی پہلی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ عید الفطر ایک سادہ تیوہار ہے۔ اس میں کوئی چیز بھی بطور فرض یا لازم کے نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے وہ سنت یا مستحب ہے۔ یہ تو لازم کیا گیا ہے کہ عید الفطر کے دن کوئی شخص روزہ نہ رکھے مگر یہ لازم نہیں کیا گیا ہے کہ وہ فلاں فلاں عمل ضرور کرے۔ گویا کہ عید الفطر مکمل آزادی کا دن ہے۔

عید الفطر کے دن مسلمان صبح اٹھ کر نہاتے دھوتے ہیں۔ نیا کپڑا پہنتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ اپنی پسند کی میٹھی چیز (مثلاً سوئیاں) کھاتے ہیں۔ اور پھر اجتماعی عبادت کے لئے مسجد کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ وہاں وہ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ اس نماز میں اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کا لفظ عام نمازوں سے کچھ زیادہ بار دہرایا جاتا ہے۔ نماز کے بعد سب مل کر خدا سے دعائیں کرتے ہیں۔ مسجد جاتے ہوئے اور مسجد سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں یہ کہتے جاتے ہیں: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد (اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اور اسی کے لئے ہے ساری تعریف) یہ بات پسندیدہ ہے کہ بستی کے سارے مسلمان ایک مقام پر اکٹھا ہو کر نماز ادا کریں، مرد، عورت اور بچے سب وہاں حاضر ہوں اور گھر سے مسجد آنے اور جانے کا راستہ بدل دیں۔ یہ سب اس لئے ہے تاکہ خدا پرست گروہ کی شوکت کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ ہو۔

نماز کے بعد آپس میں ملنے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا پروگرام ہوتا ہے۔ لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھر جاتے ہیں۔ چھوٹے اپنے بڑوں کو سلام کرتے ہیں اور بڑے اپنے چھوٹوں کو تحفے اور عیدی پیش کرتے ہیں۔ اس طرح سارا دن خوشیاں منانے اور کھانے پینے میں گزر جاتا ہے۔

یہ عید الفطر عام معنوں میں محض ایک قومی تیوہار نہیں ہے، اس کی بہت خاص معنویت ہے اور زندگی کے اسلامی تصور سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق عید اس دن کی علامت یا تمثیل ہے جب کہ ساری بڑائی صرف ایک خدا کے لئے ہوگی۔ ہر قسم کی شان و شوکت صرف ان لوگوں کو ملے گی جو موجودہ امتحان کی دنیا میں خدا کے وفادار بن کر رہے تھے۔ جب خدا پرستوں کے لئے مشکلوں اور مصیبتوں کے دن ختم ہو جائیں گے اور ان کا خدا ان کو خوشیوں اور راحتوں کی ابدی دنیا میں داخل کر دے گا جہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔

اسلام کے نزدیک آدمی کی زندگی کے دو مرحلے ہیں۔ ایک موت سے پہلے اور دوسرا موت کے بعد۔ موت سے پہلے کا مرحلہ عمل کرنے کا مرحلہ ہے اور موت کے بعد کا مرحلہ اپنے عمل کا انجام پانے کا مرحلہ ۔ موت سے پہلے پابند اور ذمہ دار زندگی گزارنا ہے اور موت کے بعد اس کے انعام کے طور پر ایسی زندگی ملے گی جس میں آدمی ہر طرح آزاد اور خوش حال ہوگا ــــــــ روزہ کا مہینہ موت سے پہلے کی زندگی کی علامت ہے اور عید الفطر کا دن موت کے بعد کی زندگی کی علامت۔

موت سے پہلے کی زندگی میں آدمی کو جو کچھ کرنا ہے وہ یہ کہ وہ خدا کی مرضی کا پابند ہو کر زندگی گزارے۔ وہ جو کچھ کرے جائز دائرہ میں کرے، خدا کے منع کئے ہوئے دائرہ میں داخل نہ ہو۔ مثلاً وہ سچ بولے اور جھوٹ نہ بولے۔ وہ محنت کی کمائی کھائے اور لوٹ کھسوٹ کے طریقوں سے بچے۔ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ ہمیشہ انصاف برتے اور بے انصافی کا طریقہ کبھی اختیار نہ کرے۔ اس کے دل میں لوگوں کے لئے محبت اور خیر خواہی ہو نہ کہ بغض اور حسد۔

روزہ اسی پابند زندگی کی مشق ہے، وہ آدمی کو یاد دلاتا ہے کہ اس دنیا میں اس کو ذمہ دارانہ زندگی گزارنا ہے نہ کہ غیر ذمہ دارانہ زندگی۔ روزہ میں آدمی خدا کے حکم سے کھانا پانی چھوڑ دیتا ہے۔ اپنے معمولات کو بدل دیتا ہے، اپنی خواہشوں پر روک لگاتا ہے۔ اپنی مرضی پر چلنے کے بجائے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کا پابند بناتا ہے۔ اس طرح مسلسل ایک ماہ تک وہ اپنے آپ کو ایک پُر مشقت کورس سے گزارتا ہے۔ یہ روزہ کی صورت میں اس پابند زندگی کا ایک علامتی سبق ہے جو آدمی کو موجودہ دنیا میں اپنی زندگی میں نباہنا ہے۔ رمضان میں ایک مہینہ تک اس قسم کی پابند زندگی گزارنے کے بعد یکم شوال کو عید الفطر کا دن آتا ہے جب کہ ساری پابندیاں ختم کر دی جاتی ہیں اور آدمی آزاد ہوتا ہے کہ وہ خوشیوں اور راحتوں کا دن منائے۔ روزہ کے مہینہ میں اگر اس کو موت سے پہلے کی زندگی کا سبق دیا گیا تھا تو عید الفطر کے دن اس کو موت کے بعد کی زندگی کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ روزہ مسلمان کی دنیوی زندگی کی تمثیل ہے اور عید الفطر مسلمان کی آخرت کی زندگی کی تمثیل۔

روزہ کا مہینہ اور اس کے فوراً بعد عید الفطر آدمی کو یاد دلاتے ہیں کہ اگر اس نے موجودہ دنیا میں خدا کے حکموں کے مطابق پابند زندگی گزاری تو اگلی دنیا میں اس کو خوشی اور آزادی کی پر بہار جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ اس کے بعد نہ اس پر کوئی پابندی ہوگی اور نہ کسی قسم کی تکلیف۔

نوٹ: یہ تقریر ۳ اگست ۱۹۸۱ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

کائنات مشین نہیں

موجودہ زمانہ میں مشینی انسان بنائے گئے ہیں جن کو عام طور پر روبوٹ (Robot) کہا جاتا ہے۔ روبوٹ بظاہر بالکل آدمی کی شکل کا ہوتا ہے۔ وہ چلتا ہے، وہ بولتا ہے، وہ کام کرتا ہے۔ مگر حقیقۃً وہ ایک مشین ہوتا ہے نہ کہ کوئی شعور۔ وہ اسی طرح میکانکی انداز میں عمل کرتا ہے جیسے انسان کی بنائی ہوئی دوسری تمام مشینیں۔

لندن کے ایک دفتر میں ایک روبوٹ رکھا گیا تاکہ وہ چپراسی (Office Boy) کے طور پر کام کرسکے۔ یہ روبوٹ جب تیار ہوکر دفتر میں آیا تو دفتر کی خاتون سکریٹری مس جینی سیف (Jennie Seff) نے اس کو آزمائشی حرکت (Trial Run) دینا چاہا۔ وہ روبوٹ کی بیٹری جانچ رہی تھیں کہ روبوٹ حرکت میں آگیا۔ وہ سکریٹری کے پیچھے چلنے لگا۔ اب یہ صورت ہوئی کہ خاتون سکریٹری آگے آگے بھاگ رہی ہیں اور آہنی مشین ان کو پیچھے سے دوڑا رہی ہے۔ روبوٹ اس طرح چل رہا تھا گویا اس نے کنٹرول قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ اس بھاگ دوڑ میں ایک نیا ٹائپ رائٹر ٹکرا کر زمین پر گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔ بالآخر بڑی مشکل سے روبوٹ کو قابو میں لایا گیا (ہندستان ٹائمس ۳۰ جون ۱۹۸۱)

موجودہ زمانہ میں جو لوگ خدا کو نہیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ کائنات اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بہت بڑی مشین ہے۔ وہ بس اسی طرح چل رہی ہے جس طرح کوئی "روبوٹ" میکانکی طور پر چلتا ہے۔ مگر کائنات کا کھربہا کھرب سال سے انتہائی منظم طور پر یکساں حالت میں چلنا اس مفروضہ کی تردید کررہا ہے۔ اگر کائنات محض ایک میکانکی مشین ہوتی جیسے روبوٹ، تو یقیناً اس میں بار بار اسی قسم کے ٹکراؤ ہوتے جیسا کہ لندن کے آفس میں مذکورہ بالا واقعہ کی صورت میں ہوا۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں ٹھہرادی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت کرسکتی۔ ہر ایک اپنے خاص دائرہ میں گردش کرتے ہیں (یٰس ۳۸-۴۰) قرآن کا یہ بیان موجودہ زمانہ میں ایک ثابت شدہ انسانی مشاہدہ بن چکا ہے اور یہی واقعہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہاں ایک باشعور ہستی ہے جو کائنات کو کنٹرول کررہی ہے۔ اس کے بغیر کائنات کے اندر یہ تنظیم اور یہ باقاعدگی اتنی کامل صورت میں ممکن نہ ہوتی۔

دنیا کی خاطر عمل کرنے والے

لوگ خوش اخلاق ہیں۔ وہ ہدیے دیتے ہیں اور دعوتیں کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کے کام آنے کے لئے دوڑتے ہیں۔ وہ دوسرے کے مسئلہ کو اپنا مسئلہ بناتے ہیں۔ وہ غمی کے موقع پر اظہار درد کے لئے پہنچتے ہیں اور خوشی کے موقع پر مبارک باد دینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اختلاف کے باوجود اختلاف کو بھول جاتے ہیں اور شکایت کے باوجود شکایت کو پی جاتے ہیں۔

لوگ خوش ہیں کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ انھیں ہونا چاہئے۔

مگر لوگوں کی یہ خوش معاملگی کس کے ساتھ ہے۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ جن سے ان کا کوئی فائدہ وابستہ ہے۔ جن سے انھیں امید ہے کہ وہ وقت پر ان کے کام آسکتے ہیں۔ جن سے وہ ڈرتے ہیں۔ جن کے زور قوت کا رعب ان کے اوپر چھایا ہوا ہے۔ جن سے کٹ کر وہ سمجھتے ہیں کہ سارے لوگوں سے کٹ جائیں گے، جن سے جڑ کر وہ سمجھتے ہیں کہ سارے لوگوں سے جڑے رہیں گے۔

لوگوں کی یہ خوش اخلاقی تمام تر مفاد پرستانہ خوش اخلاقی ہے۔ اس کا راز اس وقت معلوم ہوجاتا ہے جب کہ معاملہ ایسے شخص سے پڑے جس کے ساتھ خوش اخلاقی برتنے کے لئے مذکورہ محرکات میں سے کوئی محرک موجود نہ ہو۔ ایسے موقع پر اچانک وہی آدمی بالکل بداخلاق بن جاتا ہے جو اس سے پہلے نہایت خوش اخلاق دکھائی دے رہا تھا۔

اب اس کو یہ شوق نہیں ہوتا کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ اب وہ اپنی دعوتوں میں اس کو بلانا بھول جاتا ہے۔ اب وہ اس کی مشکلوں میں کام آنے کے لئے نہیں دوڑتا۔ اب وہ معمولی شکایت پر بگڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اس کو یہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ اس کے جذبات کی رعایت کرے۔ دنیوی فائدہ کے لئے اخلاق دکھانے والا آدمی اس وقت بے اخلاق ہوجاتا ہے جب کہ اس میں کوئی دنیوی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔

لوگوں کو جاننا چاہئے کہ اس قسم کی خوش اخلاقی اور انسانیت کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ وہ کسی آدمی کو جہنم کی آگ سے بچانے والی نہیں خواہ وہ کتنی ہی زیادہ بڑی مقدار میں آدمی کے اندر پائی جارہی ہو۔ خدا کے ہاں جو کچھ بدلہ ہے صرف اس عمل کا ہے جو خالص خدا کی رضا اور آخرت کی نجات کے لئے کیا گیا ہو۔ اور جو عمل دنیا میں اپنا معاملہ درست رکھنے کے لئے کیا جائے اس کا خدا کے یہاں کوئی بدلہ نہیں۔ ایسے عمل کا پشتارہ لے کر خدا کے یہاں پہنچنے والوں سے خدا کہہ دے گا —— تم نے جو کچھ کیا وہ اپنی دنیا کے لئے کیا۔ تم دنیا میں اس کا بدلہ پا چکے۔ اب آخرت میں تمھارے لئے اس کے بدلے میں کچھ نہیں۔

کائنات کا دسترخوان

قرآن میں ہے کہ اللہ آسمان وزمین کا نور ہے (نور) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا تمام کی تمام خدائی صفات کا مظہر ہے۔ حساس قلب کو یہاں کی ہر چیز میں خدا کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ رزق خداوندی کا دسترخوان ہے۔

خدا پر ایمان اگر کسی آدمی کو وہ حساسیت دیدے جو خدا پر سچے ایمان سے پیدا ہوتی ہے تو کائنات میں فی الواقع اس کو ہر طرف خدا کا نور دکھائی دے گا۔ ہوا کے لطیف جھونکے جب اس کے جسم کو چھوئیں گے تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ لمس خداوندی کا کوئی حصہ اسے مل رہا ہے۔ دریاؤں کی روانی میں اس کو رحمتِ حق کا جوش ابلتا ہوا نظر آئے گا۔ چڑیوں کے چہچہے جب اس کے کان میں رس گھولیں گے تو اس کے دل کے تاروں پر زمزمۂ خداوندی کے نغمے جاگ اٹھیں گے۔ پھولوں کی مہک جب اس کے مشام جان کو معطر کرے گی تو وہ اس کے لئے خدائی خوشبو میں نہانے کے ہم معنی بن جائے گی۔

ساری کائنات مومن کے لئے رزق روحانی کا دسترخوان ہے، ویسے ہی جیسے جنت اس کے لئے رزق مادی کا دسترخوان ہوگی۔ موجودہ دنیا کی تمام چیزوں کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ ان کو دیکھ کر انسان عبرت حاصل کرے، ان کے ذریعہ وہ ان ربانی کیفیات کو پالے جو ان کے اندر ان لوگوں کے لئے رکھ دی گئی ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔

ڈھاک ایک معمولی درخت ہے۔ مگر اس کے اوپر بے حد حسین پھول اُگتے ہیں۔ موسم خزاں کے پت جھڑ کے بعد اس کا درخت بظاہر ایک سوکھی لکڑی کی مانند، اس سے بھی زیادہ ایک سوکھی زمین پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک خاموش انقلاب آتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر نہایت خوش رنگ پھول اس کی شاخوں میں کھل اٹھتے ہیں۔ سوکھی لکڑی کا ایک ڈھانچہ لطیف اور رنگین پھولوں سے ڈھک جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ایک محروم اور بے قیمت وجود کے لئے خدا نے خصوصی طور پر اپنی خوب صورت چھتری بھیج دی ہے۔

ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی بندۂ خدا اس کو دیکھ کر کہے ——— "خدایا! میں بھی ایک ڈھاک ہوں، تو چاہے تو میرے اوپر حسین پھول کھلا دے۔ میں ایک ٹھنٹھ ہوں، تو چاہے تو مجھ کو سرسبز و شاداب کر دے۔ میں ایک بے معنی وجود ہوں، تو چاہے تو میری زندگی کو معنویت سے بھر دے۔ میں جہنم کے کنارے کھڑا ہوں تو چاہے تو مجھ کو جنت میں داخل کر دے۔

یہ یقین کی طاقت تھی

قریش کے لوگوں میں ایک شخص عمرو بن عبد وُد نام کا تھا۔ وہ غیر معمولی ڈیل ڈول کا پہلوان آدمی تھا۔ بدر کی لڑائی میں وہ قریش کی طرف سے شریک ہوا اور زخمی ہو کر بھاگا۔ اسی زخم کی وجہ سے وہ اُحد کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکا۔ غزوۂ خندق کا وقت آیا تو وہ بڑی شان کے ساتھ نکلا۔ ایک مقام پر جہاں خندق کی چوڑائی نسبتاً کم تھی وہ گھوڑا کدا کر مسلمانوں کی طرف آگیا اور آواز دی کہ کون مجھ سے جنگ کرتا ہے۔ علی بن ابی طالبؓ اٹھے اور کہا کہ اے خدا کے رسول مجھے اس سے لڑنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے کہا کہ یہ عمرو بن عبد ود ہے، بیٹھو (انہ عمرو اجلس) وہ بیٹھ گئے۔ عمرو بن عبد ود نے دوبارہ آواز دی کہ تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ تم میں سے جو شخص مارا جائے گا وہ اس میں داخل ہوگا۔ حضرت علی دوبارہ اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو بٹھا دیا۔ اس نے تیسری بار آواز دی۔ حضرت علی پھر اٹھے۔ رسول اللہ نے پھر فرمایا کہ یہ عمرو ہے (انہ عمرو) حضرت علی نے کہا: خواہ وہ عمرو ہی کیوں نہ ہو (وان کان عمرو) اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت علی نکلے تو دیو پیکر عمرو بن عبد ود کے مقابلہ میں وہ بچہ دکھائی دیتے تھے۔ عمرو بن عبد ود نے کہا: اے میرے بھتیجے، مجھ کو ناپسند ہے کہ میں تمہارا خون بہاؤں۔ حضرت علی نے کہا: مگر خدا کی قسم میں تمہارا خون بہانے کو برا نہیں سمجھتا۔ یہ سن کر عمرو بن عبد ود غصہ میں آگیا۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور حضرت علی پر اتنی زور سے تلوار ماری کہ وہ ان کی ڈھال کو توڑتی ہوئی ان کے سر تک پہنچ گئی۔ مگر زخم کھا کر حضرت علی کی شجاعت میں اور اضافہ ہو گیا۔ حضرت علی نے انتہائی تیزی کے ساتھ جوابی وار کیا۔ حضرت علی کی تلوار عمرو بن عبد ود کے کندھے پر پڑی اور اس کی گردن کی رگ کٹ گئی۔ وہ اپنے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ زمین پر گر پڑا اور اس کے گرنے سے غبار اڑا۔ اس کے بعد تکبیر کی آواز سنائی دی تو صحابہ نے جان لیا کہ حضرت علی نے عمرو بن عبد ود کو قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت علی کی طرف ایک نظم منسوب ہے جس کے دو شعر یہ ہیں:

الیوم یمنعنی الفرار حفیظتی ومصمم فی الرأس لیس بنابی

لاتحسبن اللہ خاذل دینہ ونبیہ یا معشر الاحزاب

میرے تحفظ (ایمانی) نے آج مجھ کو بھاگنے سے روک دیا اور ضرب (دشمن کے) سر سے چوکنے والی نہیں۔ اے مسلمانوں کی جماعت، تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ اپنے دین اور اپنے نبی کو رسوا کرے گا۔

مجھ کو زیادہ قیمت مل رہی ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں قحط پڑا اور لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ نہ گھبراؤ۔ اللہ جلد ہی تمھارے لئے کشادگی کی صورت پیدا کر دے گا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ شام سے آیا، اس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور سب کے سب گیہوں اور کھانے کی چیزوں سے لدے ہوئے تھے۔ یہ خبر مدینہ میں پھیلی تو شہر کے تاجر عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آئے۔ ان کے پاس ایک چادر تھی جس کو وہ اپنے کندھے پر اس طرح ڈالے ہوئے تھے کہ اس کا ایک سرا سامنے کی طرف لٹک رہا تھا اور دوسرا سرا پیچھے کی طرف۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم لوگ کیوں آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ تاجروں نے کہا: ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے پاس ایک ہزار اونٹ گیہوں اور غذائی سامان آیا ہے۔ ہم ان کو خریدنا چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے ہاتھ یہ غذائی سامان بیچ دیں تاکہ ہم اس کو مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچا سکیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اندر آؤ اور گھر میں بیٹھ کر بات کرو۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ غذائی اشیاء کے ایک ہزار ڈھیر گھر کے اندر پڑے ہوئے ہیں۔

اب بات چیت شروع ہوئی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میری شام کی خریداری پر تم مجھ کو کتنا زیادہ نفع دوگے۔ انھوں نے کہا: دس درہم پر بارہ درہم۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ انھوں نے کہا: دس درہم پر چودہ درہم۔ حضرت عثمان نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ انھوں نے کہا اچھا دس درہم پر پندرہ درہم۔ حضرت عثمان نے کہا کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کون آپ کو اس سے زیادہ دے رہا ہے۔ جب کہ مدینہ کے جتنے تاجر ہیں سب یہاں جمع ہیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ مجھ کو ہر ایک درہم کے بدلے دس درہم مل رہا ہے۔ پھر کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ انھوں نے کہا نہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لئے اس کا دس گنا بدلہ ہے (انعام ۱۶۰) تو اے مدینہ کے تاجرو، گواہ رہو کہ میں نے یہ تمام غذائی سامان اللہ کے لئے شہر کے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیا (العقریات الاسلامیہ ۵۷۲) خدا کے وعدوں پر یقین آدمی کے حوصلے کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کے لئے کوئی مشکل چیز نہیں رہتی۔

ایمانی غیرت

جنگ قادسیہ (۱۴ھ) کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج میں ایک شخص ابو محجن ثقفی تھے۔ وہ بہت بہادر تھے۔ مگر کبھی کبھی شراب پی لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو کوڑے لگتے تھے۔ بالآخر حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان کو ایک خیمہ میں قید کر دیا۔ ایک روز حضرت سعد زخمی تھے اور اپنے خیمہ کے پاس بلندی پر بیٹھ کر فوج کو ہدایات دے رہے تھے۔ اس دن ایرانی فوج کا زور بہت زیادہ تھا اور مسلمان ان کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ ابو محجن ثقفی بیڑیاں پہنے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے دکھ کے عالم میں یہ شعر پڑھا:

کفی حزنا ان تلتقی الخیل بالقنا واترک مشدودا علیّ وثاقیا

غم گین ہونے کے لئے یہ کافی ہے سوار نیزوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور مجھے بیڑیوں میں باندھ کر چھوڑ دیا جائے

ابو محجن ثقفی نے حضرت سعد کی بیوی کے پاس ایک باندی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ آج میری بیڑیاں کھول دو اور مجھ کو سعد کا گھوڑا اور ان کا ہتھیار دے دو۔ اگر میں زندہ رہا تو ابو محجن پہلا شخص ہوگا جو تمھاری طرف لوٹ کر آئے گا اور دوبارہ بیڑیاں پہن لے گا۔ حضرت سعد کی بیوی کو یہ پیغام ملا تو انھوں نے ابو محجن ثقفی کی بیڑیاں کھول دیں اور گھوڑا اور ہتھیار بھی ان کے حوالے کر دیا۔ اب وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئے۔ وہ اتنی بے جگری سے لڑے کہ جدھر گھستے دشمنوں کا صفایا کر دیتے۔ حضرت سعد دور سے ان کو دیکھتے اور تعجب کرتے کہ یہ سوار کون ہے۔

بالآخر مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ ابو محجن فوراً لوٹے اور گھوڑا اور ہتھیار واپس کر کے دوبارہ بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد شام کو گھر میں آئے تو ان کی بیوی نے پوچھا کہ آج تمھاری لڑائی کیسی رہی۔ انھوں نے کہا کہ آج کی لڑائی بڑی سخت تھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے ایک شخص کو چتکبرے گھوڑے پر سوار کر کے بھیج دیا۔ اگر میں نے ابو محجن کو زنجیروں میں باندھا نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ابو محجن کے حملے ہیں۔ بیوی نے کہا کہ خدا کی قسم وہ ابو محجن ہی تھے۔ اس کے بعد انھوں نے سارا قصہ بتایا۔ حضرت سعد نے ابو محجن کو بلایا اور ان کی زنجیریں کھول دیں اور کہا: خدا کی قسم اب میں شراب پینے پر تم کو سزا نہیں دوں گا۔ ابو محجن ثقفی نے کہا: میں بھی خدا کی قسم اب کبھی شراب نہ پیوں گا (وانا واللہ لا اشربھا ابدا)

غیرت مند آدمی ایک معمولی واقعہ سے بھی تڑپ اٹھتا ہے۔ مگر جو شخص غیرت سے خالی ہو اس کی اصلاح کے لئے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ناکافی ثابت ہوتی ہے۔

کھجور کی چپل پہننے والے

موجودہ افغانستان قدیم زمانہ میں رجستان کہا جاتا تھا۔ اس کا دارالسلطنت کابل تھا۔ یہاں ایک ترک راجہ کی حکومت تھی۔ وہ بدھ مذہب کو مانتا تھا اور اس کا خاندانی لقب رُتبیل (زُندبیل) تھا۔ یہ علاقہ امیر معاویہ کے زمانہ میں اسلامی خلافت میں شامل ہوا۔ رتبیل نے ابتداءً اسلامی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد اس نے دس لاکھ درہم سالانہ خراج پر معاہدہ کرکے اپنے لئے امان حاصل کرلی۔ رتبیل ایک مدت تک خراج دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے خراج دینا بند کر دیا۔ اس کے علاقہ پر بار بار فوجیں بھیجی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہوا۔

اس سلسلہ میں تاریخوں میں جو واقعات آتے ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ یزید بن عبدالملک اموی (م ۱۰۵ھ) کے زمانہ میں جب خلافت دمشق کے کچھ نمائندے اس کے پاس خراج طلب کرنے کے لئے پہنچے تو اس نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے۔ ان کے پیٹ فاقہ کشوں کی طرح دبے ہوئے تھے۔ پیشانیوں پر سیاہ نشان پڑے رہتے تھے اور وہ کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے" راوی کا بیان ہے کہ یہ کہہ کر رتبیل نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور تقریباً چوتھائی صدی تک وہ اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

صحابہ کے زمانہ کے سیدھے سادے معمولی لوگ رتبیل کی نظر میں اس سے زیادہ طاقتور تھے جتنا کہ بنو امیہ کے زمانہ کے شان و شوکت والے لوگ۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی آدمی کی طاقت کا راز اس کے جسم پر دکھائی دینے والی ظاہری رونقیں نہیں ہیں بلکہ اس کی اندرونی صلاحیت ہے۔ یہ اندرونی صلاحیت پہلے کے لوگوں میں بہت زیادہ تھی اگرچہ ظاہری طور پر وہ معمولی حالت میں دکھائی دیتے تھے۔

طاقت ور وہ ہے جس کی ضروریات مختصر ہوں۔ جس کی آرزوئیں محدود ہوں۔ جو لذت اور جاہ کا طالب نہ ہو۔ جس کو تواضع میں تسکین ملتی ہو نہ کہ اپنے کو بڑا بنانے میں۔ ایسا آدمی نفسیاتی پیچیدگیوں سے خالی ہوتا ہے۔ اس اس کے لئے صحیح فیصلہ کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ مصلحتوں کا خیال کبھی اس کا قدم نہیں روکتا۔ اپنے مقصد کی خاطر قربانی کی حد تک جانے میں اس کے لئے کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس جو لوگ مصنوعی چیزوں میں گھرے ہوئے ہوں وہ زندگی کی حقیقی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ غیر ضروری تکلفات ان کے لئے ایسا بندھن بن جاتے ہیں کہ وہ نہ تو کسی بات کو صحیح رنگ میں دیکھ پاتے اور نہ اس میں اپنے آپ کو واقعی طور پر شامل کر سکتے۔ وہ ذات کے لئے زیادہ اور مقصد کے لئے کم ہو کر رہ جاتے ہیں

ظالم کا دل ہل گیا

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری قبائل نے اسلامی سلطنت پر حملہ کیا اور عراق، ایران، ترکستان میں مسلم تہذیب وسلطنت کو زیر وزبر کر ڈالا۔ مگر اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں کو نرم کیا اور تقریباً پوری کی پوری قوم مسلمان ہوکر اسلام کی پاسبان بن گئی۔ اس زمانہ کے دعوتی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جارہے تھے۔ اتفاق سے انھیں دنوں ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور شکار کے لئے نکلا ہوا تھا۔ یہ شہزادہ تاتاریوں کی چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا جو ایران پر حکومت کر رہی تھی۔ شیخ جمال الدین ایرانی چلتے ہوئے اس علاقہ میں پہنچ گئے جہاں شہزادہ شکار کھیل رہا تھا۔ تاتاری اس زمانہ میں ایرانیوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ شہزادہ کے سپاہیوں نے شکار گاہ میں ایک ایرانی کی موجودگی کو برا فال سمجھا اور ان کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ اس گستاخ ایرانی کو شہزادہ کے پاس لے گئے۔ شہزادہ ان کو دیکھ کر سخت برہم ہوا۔ غصہ کی حالت میں اس کی زبان سے نکلا: تم ایرانیوں سے تو ایک کتا اچھا ہے۔ شیخ جمال الدین تاتاری کے اس نفرت انگیز سوال کو سن کر سنجیدہ انداز میں بولے: اگر ہم کو سچا دین نہ ملا ہوتا تو یقیناً ہم کتے سے بھی زیادہ برے ہوتے۔

تاتاری اگرچہ وحشی تھے مگر ان میں فطری مردانگی کا جوہر موجود تھا۔ وہ منافقت سے خالی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کا یہ جواب تغلق تیمور کے لئے سخت جھنجھوڑنے والا ثابت ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ جب میں شکار سے فارغ ہوجاؤں تو اس ایرانی کو میری خدمت میں حاضر کرو۔ شیخ جمال الدین جب حاضر کئے گئے تو وہ ان کو تنہائی میں لے گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ دین کیا ہے۔ شیخ جمال الدین نے نڈر ہوکر اس کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ اس گفتگو نے تاتاری شہزادہ کا دل ہلا دیا۔ بے دینی کی حالت میں مرنا اسے بڑا خطرناک معلوم ہونے لگا۔ وہ اس پر آمادہ ہوگیا کہ اسلام قبول کرے۔ تاہم ابھی وہ ولی عہد تھا، بادشاہ نہ تھا۔ اس نے کہا کہ اس وقت اگر میں اسلام قبول کرتا ہوں تو میں اپنی رعایا کو اسلام کے دین پر نہیں لاسکتا۔ اس نے شیخ جمال الدین سے کہا: اچھا اس وقت تم جاؤ۔ جب تم سنو کہ میری تاج پوشی ہوئی ہے اور میں تخت پر بیٹھ گیا ہوں تو اس وقت تم میرے پاس آنا۔

شیخ جمال الدین اپنے گھر واپس آگئے اور اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب کہ تغلق تیمور کی تخت نشینی کی خبر انھیں معلوم ہو۔ مگر یہ وقت ان کی زندگی میں نہیں آیا۔ یہاں تک کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے۔ اس وقت انھوں نے اپنے لڑکے شیخ رشید الدین کو بلایا اور تاتاری شہزادہ کا قصہ بتا کر کہا کہ دیکھو میں ایک مبارک گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آنا میری زندگی میں مقدر نہیں۔ اس لئے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ جب تم سنو کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوئی ہے تو تم وہاں جانا اور اس کو میرا اسلام کہنا

اور بے خوفی کے ساتھ اس کو شکار کا واقعہ یاد دلاتا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ شاید اللہ اس کا سینہ حق کے لئے کھول دے۔

اس کے بعد شیخ جمال الدین کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی وصیت کے مطابق ان کے لڑکے شیخ رشید الدین تاتاری شہزادہ کی تخت نشینی کا انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی ان کو خبر ملی کہ تغلق تیمور تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ اب وہ اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ منزل پر پہنچے تو دربانوں نے خیمہ کے اندر جانے سے روک دیا۔ کیوں کہ ان کے پاس دربانوں کو بتانے کے لئے کوئی بات نہ تھی کہ وہ کیوں بادشاہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے یہ کیا کہ خیمہ کے قریب ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈال کر ٹھہر گئے۔

ایک روز وہ فجر کے لئے اٹھے۔ اول وقت تھا اور فضا میں ابھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ انھوں نے بلند آواز سے اذان دینا شروع کیا۔ یہ آواز خیمہ کے اس حصہ تک پہنچ گئی جہاں شاہ تغلق تیمور سو رہا تھا۔ بادشاہ کو ایسے وقت میں یہ آواز بے معنی شور معلوم ہوئی۔ اس نے اپنے ملازموں سے کہا کہ دیکھو یہ کون پاگل ہے جو اس وقت ہمارے خیمہ کے پاس شور کر رہا ہے۔ اس کو پکڑ کر ہمارے پاس حاضر کرو۔ چنانچہ شیخ رشید الدین فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیے گئے۔

اب بادشاہ نے ان سے سوال و جواب شروع کیا کہ تم کون ہو اور کیوں ہمارے خیمہ کے پاس شور کر رہے ہو۔ شیخ رشید الدین نے اپنے والد شیخ جمال الدین کی پوری کہانی سنائی اور کہا کہ آپ کے سوال کے جواب میں جب میرے والد نے کہا تھا کہ اگر ہم کو سچا دین نہ ملا ہوتا تو یقیناً ہم کتے سے بھی زیادہ برے ہوتے تو آپ نے کہا تھا کہ اس وقت میں کچھ نہیں کہتا مگر جب میری تخت نشینی ہو جائے تو تم میرے پاس آنا۔ مگر اس کے انتظار میں میرے والد کا آخری وقت آ گیا۔ اب ان کی وصیت کے مطابق میں آپ کے پاس وہ بات یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

بادشاہ نے پورے قصہ کو غور کے ساتھ سنا۔ آخر میں بولا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں تمھارے انتظار میں تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ ایک راز میرے سینہ میں تھا جس کو آج اس ایرانی فقیر نے یاد دلایا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اسلام قبول کر لوں۔ تمھاری کیا رائے ہے۔ وزیر نے کہا کہ میں بھی یہی راز اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہوں۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ سچا دین یہی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ اور وزیر دونوں شیخ رشید الدین کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد بقیہ درباریوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ کے قبول اسلام کے بعد پہلے ہی دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا اور بالآخر ایران کی پوری تاتاری قوم نے بھی۔

سچائی کی فتح

تیرھویں صدی ہجری کے وسط کا واقعہ ہے جب کہ ہندستان میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ کاندھلہ (ضلع مظفر نگر، یوپی) کی جامع مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں میں نزاع شروع ہوگئی۔ یہ نزاع مسجد سے متصل ایک زمین کے بارے میں تھی۔ مسلمان اس زمین کو مسجد کی ملکیت قرار دے کر مسجد میں شامل کرنا چاہتے تھے اور ہندوؤں کا اصرار تھا کہ یہ قدیم مندر کا حصہ ہے۔ جھگڑا بڑھا تو معاملہ عدالت تک پہنچا اور کئی سال تک اس کا مقدمہ چلتا رہا۔

مجسٹریٹ انگریز تھا۔ جو شواہد اس کے سامنے پیش کئے گئے وہ اتنے قطعی نہ تھے کہ انکی بنیاد پر وہ کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر سکے۔ بالآخر مجسٹریٹ نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے الگ الگ گفتگو کی۔ اس نے مسلمانوں سے کہا کہ کیا تمھاری نظر میں کوئی ایسا ہندو ہے جو یہ گواہی دے کہ یہ زمین مسجد کی ملکیت ہے۔ اگر تم کسی ایسے ہندو کا نام بتاؤ تو میں اس کے بیان پر زمین کا فیصلہ کر دوں گا۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم کسی ہندو کا نام نہیں بتا سکتے، یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اور ہم کو کسی ہندو سے یہ امید نہیں کہ ایسے مذہبی معاملہ میں وہ جانب داری کے بغیر بالکل سچ بات کہہ سکے اور یہ گواہی دے کہ زمین مسجد کی ملکیت ہے۔

اس کے بعد انگریز مجسٹریٹ نے ہندوؤں کو بلایا اور کہا کہ کیا تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتا سکتے ہو جو تمھارے دعوے کی تصدیق کرے اور یہ گواہی دے کہ یہ زمین مندر کی ملکیت ہے۔ اگر تم ایسے کسی مسلمان کا نام بتاؤ تو میں اس کے بیان پر زمین کا فیصلہ تمھارے حق میں کر دوں گا۔" ہندوؤں نے باہم مشورہ کیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجسٹریٹ سے کہا کہ یہ مسئلہ قومی عزت کا معاملہ بن گیا ہے۔ اس لئے بہت مشکل ہے کہ کوئی مسلمان یہ گواہی دے کہ یہ زمین مندر کی ہے تاہم ہماری بستی میں ایک بزرگ ایسے ہیں جن سے ہم کو امید ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔

ہندوؤں نے جس مسلمان کا نام بتایا وہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے والد مولانا محمود بخش (م ۱۳۵۸ھ) تھے مجسٹریٹ کا کیمپ اس وقت کاندھلہ کے قریبی موضع ایلم میں تھا۔ اس نے فوراً مولانا محمود بخش کے یہاں پیغام بھیجا کہ وہ کچہری پہنچ کر متعلقہ مسئلہ میں اپنا بیان دیں۔ مجسٹریٹ کا بھیجا ہوا آدمی جب مولانا موصوف کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منھ کبھی نہیں دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے دوبارہ اپنا چپراسی بھیج کر کہلایا کہ اس کا انتظام رہے گا کہ میں یا کوئی دوسرا انگریز آپ کے سامنے نہ پڑے۔ آپ مہربانی کر کے تشریف لائیں، کیونکہ آپ ہی کے بیان پر ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ ہونا ہے۔ اس نے مزید کہلایا کہ آپ

کی مذہبی کتاب قرآن میں یہ حکم ہے کہ کسی معاملہ میں کسی کے پاس گواہی ہو تو وہ اس کو پیش کرے، وہ ہرگز اس کو نہ چھپائے۔

اب مولانا محمود بخش کاندھلوی مجسٹریٹ کی عدالت میں تشریف لائے۔ مجسٹریٹ خیمہ کے اندر دروازہ کے پاس بیٹھ گیا۔ مولانا دروازہ کے پاس باہر کی طرف کھڑے ہو گئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد خیمہ کے باہر جمع تھی۔ ہر ایک ملے جلے جذبات کے ساتھ منتظر تھا کہ دیکھئے آج کیا پیش آتا ہے۔ اندر بیٹھے ہوئے مجسٹریٹ نے بلند آواز سے پوچھا کہ مولانا محمود بخش صاحب یہ بتایئے کہ یہ متنازعہ جگہ ہندوؤں کی ہے یا مسلمانوں کی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے، مسلمانوں کا دعویٰ اس کے بارہ میں غلط ہے۔ مجسٹریٹ نے مولانا محمود بخش صاحب کے اسی بیان پر اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ زمین ہندوؤں کو مل گئی۔ یہ زمین کاندھلہ کی موجودہ جامع مسجد کی جنوب مشرقی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ ہندوؤں نے مجسٹریٹ کے فیصلہ کے فوراً بعد یہاں مندر تعمیر کر دیا۔ اب بھی اس جگہ پر وہ مندر موجود ہے۔

مسلمان کچہری سے اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کے چہرے اداس تھے اور ان کے دلوں میں شکست کا احساس چھایا ہوا تھا۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ "مولوی نے قوم کو غیروں کے سامنے رسوا کر دیا" مسلمانوں کو معلوم نہ تھا کہ قانون کی عدالت کا فیصلہ اگرچہ ہو چکا ہے مگر اخلاق کی عدالت کا فیصلہ ابھی باقی ہے۔ مولانا محمود بخش کی اس سچائی اور بے لاگ حق پرستی کا ہندوؤں پر بہت اثر پڑا۔ وہ مولانا کی سچائی کے واقعہ میں اس دین کی سچائی کو دیکھنے لگے جس نے ان کے اندر یہ زبردست قوت پیدا کی کہ وہ ایک نہایت نازک قومی معاملہ میں بھی انصاف سے نہیں ہٹے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاندھلہ کے کئی ہندو خاندان اسلام سے متاثر ہوئے اور مولانا محمود بخش کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ان نو مسلم خاندانوں میں سے ایک گھرانہ ۱۹۴۷ تک کاندھلہ میں موجود تھا جو تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا۔

مسلمان اپنا مقدمہ ہار گئے مگر اسلام اپنا مقدمہ جیت گیا۔

دو شخصوں یا گروہوں میں جب بھی کوئی نزاعی معاملہ پیش آتا ہے تو عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی نظر مفاد اور مصلحت کی طرف چلی جاتی ہے۔ جس چیز میں بظاہر فائدہ نظر آئے، جو قومی وقار کے مطابق ہو۔ جس میں دنیوی سربلندی حاصل ہوتی ہو، آدمی بس اسی کی طرف جھک جاتا ہے۔ مگر حقیقی کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ معاملہ کو حق اور ناحق اور انصاف اور بے انصافی کی نظر سے دیکھا جائے۔ جو طریقہ حق کے مطابق ہو اس کو اختیار کر لیا جائے اور جو طریقہ حق کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ اصولی موقف ہے اور اس دنیا میں بالآخر اصولی موقف کامیاب ہوتا ہے نہ کہ افادی موقف۔

جاننا کافی نہیں

بوعلی سینا (۳۷۰ھ ـ ۴۲۸ھ) بہت عالم فاضل شخص تھے، کہا جاتا ہے کہ ایک بار وہ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ شیخ ابوسعید ابوالخیر سے ملے اور ان کے یہاں چند دن گزارے۔ بوعلی سینا جب واپس جانے لگے تو انھوں نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں رہنے والے ایک شخص سے کہا: آج میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم ایسا کرنا کہ میرے بعد شیخ میرے بارے میں جو کچھ کہیں وہ تم ایک خط میں لکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شیخ کا خیال میرے بارے میں کیا ہے۔

بوعلی سینا کی واپسی کو کئی دن گزر گئے مگر شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ان کے بارے میں کوئی بات نہ کہی۔ اچھا یا برا کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بالآخر کئی دن کے انتظار کے بعد مذکورہ شخص نے شیخ سے سوال کیا کہ حضرت، آپ کے پاس بوعلی سینا آئے تھے، وہ آپ کی نظر میں کیسے آدمی ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے جواب دیا کہ وہ ایک اچھے حکیم ہیں اور ان کے پاس بہت علم ہے۔ مگر وہ مکارم اخلاق نہیں رکھتے۔

مذکورہ شخص نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کا یہ تبصرہ ایک کاغذ پر لکھا اور اس کو بوعلی سینا کے پاس بھیج دیا۔ بوعلی سینا نے اس کو پڑھا تو ان کو بڑا جھٹکا لگا۔ انھوں نے مذکورہ شخص کو اس کا جواب لکھ کر بھیجا۔ اس جواب میں انھوں نے یہ لکھا کہ مجھے تمھاری تحریر پر تعجب ہے۔ میں نے مکارم اخلاق پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر شیخ میرے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں مکارم اخلاق نہیں جانتا۔ مذکورہ شخص نے بوعلی سینا کا یہ جواب شیخ ابوسعید ابوالخیر کو بتایا۔ وہ اس کو سن کر مسکرائے اور کہا:

من این نگفتم کہ مکارم اخلاق نہ داند، گفتہ ام کہ ندارد (فوائد الفواد) — میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مکارم اخلاق نہیں جانتے، میں نے یہ کہا ہے کہ وہ مکارم اخلاق نہیں رکھتے۔

ایک چیز ہے "جاننا" اور ایک چیز ہے "ہونا"۔ جاننا ذہن اور حافظہ کی سطح پر ہوتا ہے۔ اور ہونا آدمی کے پورے وجود کی سطح پر۔ جاننے والا آدمی صرف جانتا ہے اور ہونے والا آدمی خود اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ جاننا بہت آسان ہے۔ کوئی بھی شخص پڑھ کر اور سیکھ کر دین و اخلاق کی باتوں کو جان سکتا ہے۔ مگر ہونا اتنا ہی زیادہ مشکل ہے۔ ہونے کے لئے آدمی کو اپنے آپ کو پیس ڈالنا پڑتا ہے۔ کیونکہ پسا ہوا سفوف ہی پانی میں گھلتا ہے نہ کہ جمے ہوئے ٹکڑے۔ مگر اصل اہمیت اعتبار کی ہے۔ اور حقیقت کی دنیا میں جو کچھ اعتبار ہے وہ ہونے کا ہے نہ کہ جاننے کا۔

جس جاننے کے ساتھ ہونا نہ ہو، حقیقت کی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

راکھ کی گواہی

دہلی کا ایک محلہ ہے جس کا نام نبی کریم ہے۔ یہاں ایک نوجوان مزدور اشوک نام کا رہتا تھا۔ ۵ ستمبر ۱۹۸۰ کو وہ اپنے گھر کے پاس مرا ہوا پایا گیا۔ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اچانک دل کی حرکت بند ہونے کی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ کی کوئی رپورٹ پولس میں درج نہ ہو سکی۔ اگلے دن اشوک کی لاش جمنا کے کنارے لے جائی گئی اور اس کو جلا کر دریا میں بہا دیا گیا۔

بظاہر معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ اور اگر اس میں کوئی مجرمانہ سازش ہو تو اس کا پتہ لگانے کا کوئی امکان اب باقی نہیں رہا تھا۔ مگر جلائی ہوئی لاش کی راکھ نے وہ بات بتا دی جو معروف ذرائع نہیں بتا سکے۔

اشوک کی ماں چمیلی دیوی کو بعض وجوہ سے یہ شبہ ہوا کہ اشوک طبعی موت نہیں مرا ہے بلکہ اس کے ایک دوست سریش (۲۶ سال) نے اس کو شراب میں زہر دے کر اسے مارا ہے۔ ماں نے ۷ ستمبر کو پولس میں رپورٹ درج کرائی۔ پولس کے لئے اب واحد صورت یہ باقی تھی کہ وہ مردہ کی راکھ حاصل کر کے اس کی چھان بین کرے۔ رپورٹ کے بعد اسی دن ایک پولس پارٹی لاش جلانے والے گھاٹ پر پہنچی۔ یہ ستمبر کی سات تاریخ تھی۔ مگر خوش قسمتی سے شمشان بھومی کے مذکورہ پلیٹ فارم پر ابھی تک کوئی دوسری لاش نہیں جلائی گئی تھی۔ پولس نے راکھ جمع کی اور اس جلی ہوئی راکھ کو سنٹرل فارنسک سائنس لیبورٹری (آر کے پورم) میں جانچ کے لئے بھیج دیا۔ وہاں سے چھ ماہ بعد ۱۳ مارچ ۱۹۸۱ کو رپورٹ آئی۔ رپورٹ نے تصدیق کر دی کہ مرنے والا طبعی موت نہیں مرا بلکہ زہر کے سبب سے مرا ہے۔ ۱۶ مارچ کو سریش کو قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا (ہندستان ٹائمس ۱۷ مارچ ۱۹۸۱)

اخباری رپورٹر نے اس واقعہ کی روداد درج کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں: مرے ہوئے آدمی کوئی بات نہیں بتاتے مگر ان کی جلی ہوئی راکھ بتا سکتی ہے۔

Dead men tell no tales, but their ashes may

انسان ظلم کرتا ہے اور "ریکارڈ" جلا کر سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے عمل کا ثبوت مٹا دیا۔ وہ برائی کرتا ہے اور اپنی ہوشیاری اور طاقت سے اس پر پردہ ڈال کر یقین کر لیتا ہے کہ اس نے اپنی برائی کو ہمیشہ کے لئے چھپا دیا۔ مگر وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا میں نہیں ہے بلکہ خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں ہے۔ اور خدا نے اپنی دنیا کو اس طرح بنایا ہے کہ یہاں ہر عمل وجود میں آتے ہی کائناتی صفحہ پر اس طرح ثبت ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کو مٹانا کسی کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ ہر آدمی عمل کرنے کے لئے آزاد ہے مگر وہ اپنے عمل کا نشان مٹانے کے لئے آزاد نہیں۔ آدمی اگر اپنی اس بے بسی کو جان لے تو وہ ظلم اور برائی کے قریب بھی نہ جائے۔

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد سنی کہ میں تمھاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے لگاتار بھیج رہا ہوں۔ اور یہ اللہ نے صرف اس لئے کیا کہ تمھارے لئے خوش خبری ہو اور تاکہ تمھارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ اور مدد تو اللہ ہی کے پاس سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست بے حکمت والا ہے۔ جب اللہ نے تم پر اونگھ ڈال دی اپنی طرف سے تمھاری تسکین کے لئے اور آسمان سے تمھارے اوپر پانی اتارا کہ اس کے ذریعہ سے تمھیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے قدموں کو جما دے۔ جب تیرے رب نے فرشتوں کو حکم بھیجا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم ایمان والوں کو جمائے رکھو۔ میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔ پس تم ان کی گردن کے اوپر مارو اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ۔ یہ اس سبب سے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سزا دینے میں سخت ہے۔ یہ تو اب چکھو اور جان لو کہ منکروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ ۱۴-۹

بدر کی لڑائی بڑے نازک حالات میں ہوئی۔ تقریباً ایک ہزار مسلح دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ ان کے پاس ہتھیار بھی کم تھے۔ دشمنوں نے مقام جنگ (بدر) پر پہلے پہنچ کر وہاں اچھی جگہ اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا۔ اس قسم کے حالات دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا کہ جس مشن کے لئے وہ اپنی زندگی ویران کر رہے ہیں اس کے ساتھ شاید خدا کی مدد شامل نہیں۔ اگر وہ حق ہوتا تو ایسے نازک موقع پر خدا کیوں ان کا ساتھ نہ دیتا، کیوں اسباب کے تمام سرے ان کے ہاتھ سے نکل کر دشمنوں کی طرف چلے جاتے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے بدر کے علاقہ میں زور کی بارش برسائی۔ مسلمانوں نے حوض بنا بنا کر بارش کا پانی جمع کر لیا۔ دشمن نے مسلمانوں کو زمین کے پانی سے محروم کیا تھا، خدا نے ان کے لئے آسمان سے پانی کا انتظام کر دیا۔ اسی طرح خدا نے یہ غیر معمولی انعام فرمایا کہ مسلمانوں کے اوپر نیند طاری کر دی۔ سونا آدمی کے تازہ دم ہونے کے لئے بہت ضروری ہے۔ مگر میدان جنگ کے حالات اس قدر وحشت ناک ہوتے ہیں کہ آدمی کی نیند اڑ جاتی ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصی مدد فرمائی کہ جنگ کے دن سے پہلے والی رات کو ان پر نیند طاری کر دی۔ وہ رات کو ذہنی بوجھ سے فارغ ہو کر سو گئے اور صبح کو پوری طرح تازہ دم ہو کر اٹھے ——— جو حالات مسلمانوں کے اندر وسوسہ پیدا کرنے کا سبب بن رہے تھے، انھیں حالات کے اندر خدا نے ایسے امکانات پیدا کر دئے کہ ان کے اندر نیا یقین و اعتماد ابھر آیا۔

مقابلہ کے وقت اہل حق سے جو چیز مطلوب ہے وہ ثابت قدمی ہے۔ انھیں کسی حال میں بددل نہیں ہونا چاہئے۔ اس ثابت قدمی کا نقد انعام خدا کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ دشمنان حق کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جو گروہ اپنے حریف سے مرعوب ہو جائے اس کو کوئی چیز شکست سے نہیں بچا سکتی۔

اے ایمان والو، جب تمھارا مقابلہ منکرین سے میدان جنگ میں ہو تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔ اور جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری، سوا اس کے کہ جنگی چال کے طور پر ہو یا دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے، تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۱۶-۱۵

اسلام اور غیر اسلام کا ٹکراؤ جب جنگ کے میدان تک پہنچ جائے تو یہ گویا دونوں فریقوں کے لئے آخری فیصلہ کا وقت ہوتا ہے۔ ایسے نازک لمحہ میں اگر کوئی شخص یا گروہ ایسا کرے کہ عین معرکہ کے وقت وہ میدان چھوڑ کر بھاگے تو اس نے بدترین جرم کیا۔ ایک طرف اس نے حق کو بچانے کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بچانے کو زیادہ اہم سمجھا، اس نے اپنے مقصد کے مقابلہ میں اپنی ذات کو ترجیح دی۔ اور یہ سب کچھ اس نے اس وقت کیا جب کہ اس حق کی زندگی کی بازی لگی ہوئی تھی جس کو اعلیٰ ترین صداقت قرار دے کر وہ اس پر ایمان لایا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایسے نازک موقع پر اکثر ایک چھوٹا سا واقعہ بہت بڑے واقعہ کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک شخص یا ایک گروہ کا میدان چھوڑ کر بھاگنا پوری فوج کا حوصلہ توڑ دیتا ہے۔ ایک شخص کی بھگدڑ بالآخر عام بھگدڑ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور ہنگامی حالات میں جب کسی مجمع میں عام بھگدڑ شروع ہو جائے تو وہ اپنی آخری حد پر پہنچنے سے پہلے کہیں نہیں رکتی۔

اس سے مستثنیٰ صرف وہ صورت ہے جب کہ کوئی سپاہی یا سپاہیوں کا کوئی دستہ کسی جنگی تدبیر کے لئے پیچھے ہٹتا ہے یا وہ اپنے ایک مورچہ سے ہٹ کر کسی دوسرے مورچہ کی طرف سمٹنا چاہتا ہے۔ فرار کے طور پر اگر کوئی پیچھے ہٹتا ہے تو وہ بلاشبہ ناقابل معافی جرم کرتا ہے۔ مگر جو پیچھے ہٹنا تدبیر جنگ سے تعلق رکھتا ہو وہ جائز ہے۔ اس کے لئے آدمی پر کوئی الزام نہیں۔

مذکورہ حکم اصلاً جنگ سے متعلق ہے۔ تاہم دوسری مشابہ صورتیں بھی درجہ بدرجہ اسی کے ذیل میں آسکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص بے آمیز اسلام کے خاموش اور تعمیری عمل کی طرف لوگوں کو پکارے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب وہ دیکھے کہ اس کی دعوت لوگوں میں زیادہ مقبول نہیں ہو رہی ہے تو وہ بے صبری کا شکار ہو جائے اور خاموش تعمیر کے محاذ کو چھوڑ کر ایسے اسلام کی طرف دوڑ پڑے جس کے ذریعہ عوام میں بہت جلد شہرت اور مرتبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جنگ کے میدان سے بھاگنا شعور اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے۔ مگر جنگی میدان کے باہر جو معرکہ جاری ہے اس سے "بھاگنا" ایک غیر شعوری واقعہ ہے۔ آدمی طبعی طور پر نتیجہ پسند واقع ہوا ہے۔ وہ اپنے کام کا اعتراف چاہتا ہے۔ اس کا یہ مزاج غیر شعوری طور پر اس کو ان کاموں سے ہٹا دیتا ہے جن میں فوری نتیجہ نکلتا ہوا نظر نہ آتا ہو۔ وہ اپنے اندر کام کرنے والے غیر شعوری اثرات کے تحت ان چیزوں کی طرف کھنچ اٹھتا ہے جن میں بظاہر یہ امید ہو کہ فوراً عزت و کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس قسم کا ہر انحراف اپنی حقیقت کے اعتبار سے اسی نوعیت کی چیز ہے جس کو مذکورہ آیت میں میدان مقابلہ سے بھاگنا کہا گیا ہے۔

پس ان کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا۔ اور جب تو نے ان پر خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تاکہ اللہ اپنی طرف سے ایمان والوں پر خوب احسان کرے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا۔ اور بے شک اللہ منکرین کی تمام تدبیریں بے کار کر کے رہے گا۔ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمھارے سامنے آگیا۔ اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور تمھارا جتھا تمھارے کچھ کام نہ آئے گا خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ۱۷–۱۹

روایات میں آتا ہے کہ جب بدر کا معرکہ گرم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ نکلے: یارب ان تهلك هذه العصابة فلن تعبد فی الارض ابدا (اے میرے رب، اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو کبھی زمین پر تیری پرستش نہ ہو گی) پھر آپ نے اپنے ہاتھ میں مٹھی بھر خاک لی اور اس کو مشرکین کی طرف پھینکتے ہوئے کہا شاهت الوجوه (چہرے بگڑ جائیں) اس کے بعد کافروں کے لشکر کا یہ حال ہوا جیسے سب کی آنکھوں میں ریت پڑ گئی ہو۔ چنانچہ مسلمانوں نے نہایت آسانی سے جس کو چاہا قتل کیا اور جس کو چاہا گرفتار کر لیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اہل ایمان کی مدد کرتا ہے۔ ان کے دشمن خواہ کتنی ہی سازشیں کریں وہ ان کی سازشوں کو اپنی تدبیروں سے بے اثر کر دیتا ہے۔ وہ ان کو مغلوب کر کے اہل ایمان کو ان کے اوپر غالب کر دیتا ہے۔ مگر ایسا کب ہوتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ اہل ایمان اپنے ارادہ کو خدا کے ارادہ میں اس طرح ملا دیں کہ خدا کی منشا اور اہل ایمان کی منشا دونوں ایک ہو جائے۔ جب بندہ اس طرح اپنے آپ کو خدا کے مطابق کر لیتا ہے تو جو کچھ خدا کا ہے وہ اس کا ہو جاتا ہے کیونکہ جو کچھ اس کا ہے وہ خدا کو دے چکا ہوتا ہے۔

بدر کے لئے روانگی سے پہلے مکہ کے سردار بیت اللہ گئے اور کعبہ کے پردہ کو پکڑ کر یہ دعا کی: خدایا اس کی مدد کر جو دونوں لشکروں میں سب سے اعلیٰ ہو، جو دونوں گروہوں میں سب سے معزز ہو، جو دونوں قبیلوں میں سب سے بہتر ہو (اللهم انصر اعلى الجندين واكرم الفئتين وخير القبيلتين) بدر کی لڑائی میں سرداران مکہ کو کامل شکست اور اہل ایمان کو کامل فتح ہوئی۔ اس طرح خود سرداران مکہ کے معیار کے مطابق یہ ثابت ہو گیا کہ خدا کے نزدیک اعلیٰ و اشرف گروہ وہ نہیں ہیں بلکہ اہل اسلام ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ جو لوگ ایسا کریں ان کے لئے آخرت میں سخت ترین عذاب ہے اور اسی کے ساتھ دنیا میں بھی۔

"دونوں میں جو سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف ہو اس کو فتح دے"، یہ بظاہر دعا تھی مگر حقیقۃً وہ اپنے حق میں پرفخر اعتماد کا اظہار تھا۔ اس کے پیچھے ان کی یہ نفسیات کام کر رہی تھی کہ ہم کعبہ کے پاسبان ہیں، ہم ابراہیم و اسماعیل سے نسبت رکھنے والے ہیں۔ جب ہمارے ساتھ اتنی بڑی فضیلتیں جمع ہیں تو جیت بہر حال ہماری ہونی چاہئے۔ مگر خدا کے یہاں ذاتی عمل کی قیمت ہے نہ کہ خارجی انتسابات کی۔ خارجی انتساب خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو آدمی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو حالاں کہ تم سن رہے ہو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالاں کہ وہ نہیں سنتے۔ یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر ان میں کسی بھلائی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ ضرور انھیں سننے کی توفیق دیتا اور اگر اب وہ انھیں سنوا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ۲۰ — ۲۳

آدمی کے سامنے جب حق بات پیش کی جائے تو ایک صورت یہ ہے کہ وہ اس کو ان تمام صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے سنے جو خدا نے اس کو بحیثیت انسان عطا کی ہیں۔ وہ اس پر پوری طرح دھیان دے۔ وہ اس کی صداقت کے وزن کو محسوس کرلے۔ اور پھر اپنی زبان سے وہ صحیح جواب پیش کرے جو ایک حق کے مقابلہ میں انسان کی فطرت کو پیش کرنا چاہیے۔ جو شخص ایسا کرے اس نے گویا پیش کی ہوئی بات کو انسان کی طرح سنا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس کو اس طرح سنے جیسے کہ اس کے پاس سننے کے لئے کان نہیں ہیں۔ اس کے سمجھنے کی صلاحیت اس کی سچائی کو پکڑنے سے عاجز رہ جائے۔ وہ اپنی زبان سے وہ صحیح جواب پیش نہ کرسکے جو اس کو از روئے واقعہ پیش کرنا چاہیے۔ جو شخص ایسا کرے اس نے گویا پیش کی ہوئی بات کو جانور کی طرح سنا۔

کوئی بات خواہ وہ کتنی ہی برحق ہو اس کی حقانیت صرف اسی شخص پر کھلتی ہے جو دل کی آمادگی کے ساتھ اس کو سنے۔ اس کے برعکس جو شخص حسد، کبر، مصلحت اندیشی اور ظاہر پرستی کا مزاج اپنے اندر لئے ہوئے ہو وہ سچائی کو قابل غور نہیں سمجھے گا، وہ اس کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں سنے گا، اس لئے وہ اس کی صداقت کو پانے میں بھی یقینی طور پر ناکام رہے گا۔

ایمان بظاہر ایک قول ہے۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک انسانی فیصلہ ہے۔ ایمان محض شہادت کے الفاظ کی تکرار نہیں بلکہ اپنی معنوی حالت کا لفظی اظہار ہے۔ اگر آدمی کی حالت فی الواقع وہی ہو جس کا وہ ان الفاظ کے ذریعہ اعلان کر رہا ہے تو وہ خدا کی نظر میں حقیقی مومن ہے۔ مومن سنجیدہ ترین انسان ہے اور سنجیدہ انسان کبھی ایسا نہیں کرسکتا کہ اس کی اندرونی حالت کچھ ہو اور بولے ہوئے الفاظ میں وہ اپنے کو کچھ ظاہر کرے۔

جس آدمی کا ایمان اپنی اندرونی حقیقت کے اعلان کے ہم معنی ہو وہ ایمان کا اقرار کرتے ہی عملاً خدا کو اپنا معبود بنالے گا اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس کی پیروی کرنے والا بن جائے گا۔ زبان سے ایمان کا اقرار اس کے لئے اپنی سمت سفر بتانے کے ہم معنی ہوگا نہ کہ کسی قسم کے لسانی تلفظ کے ہم معنی۔ اس کے برعکس حالت اس شخص کی ہے جس نے بات سنی۔ وہ اس کے دلائل کے مقابلہ میں لاجواب بھی ہوگیا۔ مگر وہ اس کی روح میں نہیں اتری۔ وہ اس کے دل کی دھڑکنوں میں شامل نہیں ہوئی۔ تاہم اوپری طور پر اس نے زبان سے کہہ دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ مگر اس کی واقعی زندگی اس کے بعد بھی ویسی ہی رہی جیسی کہ وہ اس سے پہلے تھی۔ یہ دوسری صورت نفاق کی صورت ہے اور خدا کے یہاں ایسے منافقانہ ایمان کی کوئی قیمت نہیں۔

اے ایمان والو، اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تم کو اس چیز کی طرف بلا رہا ہے جو تم کو زندگی دینے والی ہے۔ اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی کی طرف تمھارا اکھٹا ہونا ہے۔ اور ڈرو اس فتنہ سے جو خاص انھیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۲۴-۲۵

"زندگی کی پکار" سے مراد یہاں جہاد کی پکار ہے۔ یعنی حق کو دوسروں تک پہنچانے کی جد وجہد۔ یہ جد وجہد ابتداءً زبان وقلم کے ذریعہ تلقین کی صورت میں شروع ہوتی ہے۔ مگر مدعو کا مخالفانہ ردعمل اس کو مختلف مراحل تک پہنچا دیتا ہے، حتیٰ کہ ہجرت اور جنگ تک بھی۔

آدمی انفرادی سطح پر اپنے خیال کے مطابق ایک دینی زندگی بناتا ہے۔ اس زندگی کو وہ اپنے حالات سے اس طرح مطابق کر لیتا ہے کہ وہ اس کو عافیت کا جزیرہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ دوسروں کی اصلاح کے لئے اٹھا تو اس کا بنا بنایا آشیانہ اجڑ جائے گا۔ اس کی لگی بندھی زندگی بے ترتیب ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے وقت اور اس کے مال کا وہ نظام باقی نہ رہے گا جو اس نے اپنے ذاتی تقاضوں کے تحت بنا رکھا ہے۔

اس قسم کے اندیشے اس کے لئے دعوت واصلاح کی جد وجہد میں نکلنے اور اس کی راہ میں جان ومال پیش کرنے کے لئے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ مگر یہ سراسر نادانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جس عافیت کدہ کو اپنے لئے زندگی سمجھ رہا ہے وہ اس کا قبرستان ہے۔ اور جس قربانی میں اس کو اپنی موت نظر آتی ہے اسی میں اس کی زندگی کا راز چھپا ہوا ہے۔

دعوت واصلاح کا عمل، بشرطیکہ وہ آخرت کے لئے ہو نہ کہ دنیوی مقاصد کے لئے، انتہائی اہم عمل ہے۔ وہ آدمی کے مردہ دین کو زندہ دین بناتا ہے۔ وہ اعلیٰ ترین سطح پر انسان کو خدا سے جوڑتا ہے۔ وہ ان قیمتی دینی تجربات سے آدمی کو آشنا کرتا ہے جو انفرادی خول میں رہ کر کبھی حاصل نہیں ہوتے۔ خدا کی طرف سے اتنی اہم پکار کو سن کر جو لوگ اس کے بارے میں بے توجہ رہیں وہ یہ خطرہ مول لے رہے ہیں کہ ان کے اور حق کے درمیان ایک نفسیاتی آڑ کھڑی ہو جائے ان کی یہ فطری صلاحیت ہمیشہ کے لئے کند ہو جائے کہ وہ حق کی پکار کو سنیں اور اس کی طرف دوڑ کر اپنے رب کو پالیں۔

انسان کی زندگی ایک سماجی زندگی ہے۔ کوئی شخص اس کے اندر اپنا انفرادی جزیرہ بنا کر نہیں رہ سکتا۔ اگر ایک شخص ذاتی دین داری پر قانع ہے تو وہ ہر وقت اس اندیشہ میں ہے کہ اجتماعی بگاڑ کے نتیجہ میں کوئی عمومی آگ پھیلے اور وہ خود بھی اس کی لپیٹ میں آجائے۔ اصلاحی جد وجہد اصلاح کے ساتھ برأت بھی ہے۔ اگر آدمی اپنی برأت پیش کرنے میں ناکام رہے تو خدا اس کے معاملہ کو کیوں دوسروں سے الگ کرے گا۔

کوئی برائی ہمیشہ چھوٹی سطح سے شروع ہوتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے بڑی بن جاتی ہے۔ اگر ایسا ہو کہ برائی جب اپنی ابتدائی حالت میں ہو اسی وقت کچھ لوگ اس کے خلاف اٹھ جائیں تو وہ آسانی کے ساتھ اسے کچل دیں گے۔ لیکن جب برائی پھیل چکی ہو تو اس کی جڑیں اتنی گہری ہو جاتی ہیں کہ پھر اس کو ختم کرنا ممکن نہیں رہتا۔

اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے اور زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ڈرتے تھے کہ لوگ اچانک تم کو اچک نہ لیں۔ پھر اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور اپنی نصرت سے تمھاری تائید کی اور تم کو پاکیزہ روزی دی تاکہ تم شکر گزار بنو۔ اے ایمان والو، خیانت نہ کرو اللہ اور رسول کی اور خیانت نہ کرو اپنی امانتوں میں حالاں کہ تم جانتے ہو۔ اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔ اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس ہے بڑا اجر ۲۸—۲۶

مکہ میں مسلمان بالکل بے بسی کی حالت میں تھے۔ ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا کہ کب ان کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ وہ ایسے کمزور کی مانند تھے جس کو ہر طرح دبایا جاتا ہے اور اس کے جائز حقوق بھی اس کو نہیں دیے جاتے۔ بالآخر ان کے لئے مدینہ کا راستہ کھلا۔ ان کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ مدینہ جاکر اپنا مرکز بنائیں اور وہاں کے ماحول میں آزادی اور عزت کے ساتھ رہیں۔

مشکل کے بعد آسانی فراہم کرنے کا یہ معاملہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ آدمی کے اندر شکر کا جذبہ ابھرے۔ آدمی کے حالات جب اس حد پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اچانک خدا کی مدد ظاہر ہو کر حالات کو بدل دیتی ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے تاکہ آدمی یقین کرے کہ جو کچھ ہوا وہ خدا کی طرف سے ہوا۔ اس احساس کی بنا پر وہ خدا کے انعامات کے جذبہ سے سرشار ہو جائے۔

آدمی خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے۔ اس طرح وہ عہد کرتا ہے کہ وہ خدا و رسول کے راستہ پر چلے گا۔ مگر جب ایمانی طریقہ کو اختیار کرنے میں اس کے مال و اولاد کے تقاضے حائل ہوتے ہیں تو وہ ایمان کے تقاضے کو چھوڑ کر مال و اولاد کے تقاضے کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ ایمانی عہد کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے۔ اس غداری کی شناعت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ آدمی جس چیز کی خاطر خدا کے ساتھ غداری کا معاملہ کر رہا ہے وہ بھی خود خدا کا ایک عطیہ ہے۔

آدمی کا مال اور اس کی اولاد کیا ہے۔ وہ خدا ہی کا دیا ہوا تو ہے۔ وہ بندہ کے پاس خدا کی امانت ہے۔ اس امانت کا اگر کوئی سب سے بہتر مصرف ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ جب دینے والا اس کو مانگے تو اس کو بخوشی اس کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر جب خدا کہتا ہے کہ میرے دین کے لئے اٹھو اور اس میں اپنی قوتیں لگاؤ تو آدمی اسی امانت کو اپنے لئے عذر بنا لیتا ہے جس کو خدا کے دین کی راہ میں دے کر اسے خدا سے کیے ہوئے عہدِ ایمان کو پورا کرنا تھا۔ وہ کامیابی کے کنارے پہنچ کر اپنے کو ناکاموں کی فہرست میں لکھوا لیتا ہے۔

کوئی فعل خدا کے یہاں جرم اس وقت بنتا ہے جب کہ یہ جانتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے کہ وہ غلط ہے۔ کسی شخص پر اگر اس کے ایک کام کی غلطی واضح ہو جاتی ہے اور اس کے بعد بھی وہ اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہا ہے۔ کیونکہ غلطی کو غلطی جاننے کے بعد اس کو دہرانا ڈھٹائی ہے اور ڈھٹائی خدا کے یہاں قابل معافی نہیں۔

اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے فرقان بہم پہنچائے گا اور تم سے تمہارے گناہوں کو دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور جب کافر تمہاری نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ۳۰-۲۹

فرقان کے معنی ہیں فرق کرنے والی چیز۔ یہاں فرقان سے مراد حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت ہے۔ آدمی اگر اللہ سے ڈرے، وہ وہی کرے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس سے بچے جس سے اللہ نے منع کیا ہے تو اس کو اس بات کی توفیق ملتی ہے کہ وہ حق اور باطل کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھ سکے (من اتقی بفعل اوامرہ وترک زواجرہ وُفّق لمعرفۃ الحق من الباطل، ابن کثیر)

انسانی صلاحیتوں کو بیدار کرنے والی سب سے بڑی چیز ڈر ہے۔ جس معاملہ میں انسان کے اندر ڈر کی نفسیات پیدا ہو جائے اس معاملہ میں وہ حد درجہ حقیقت پسند بن جاتا ہے۔ ڈر کی نفسیات اس کے ذہن کے تمام پردوں کو اس طرح ہٹا دیتی ہے کہ اس بارہ میں وہ ہر قسم کی غفلت یا غلط فہمی سے بلند ہو کر صحیح ترین رائے قائم کر سکے۔ یہی معاملہ اس بندۂ خدا کے ساتھ پیش آتا ہے جس کو رب العالمین کے ساتھ تقویٰ (ڈر) کا تعلق پیدا ہو گیا ہو۔

یہ فرقان تقریباً وہی چیز ہے جس کو معرفت یا بصیرت کہا جاتا ہے۔ بصیرت کسی آدمی میں وہ اندرونی روشنی پیدا کرتی ہے کہ وہ ظاہری پہلوؤں سے دھوکا کھائے بغیر ہر بات کو اس کے اصل روپ میں دیکھ سکے۔ جب بھی کوئی آدمی کسی معاملہ میں اپنے کو اتنا زیادہ شامل کرتا ہے کہ وہ اس کی پروا کرنے لگے۔ وہ اس کے بارے میں اندیشہ ناک رہتا ہو تو اس کے بعد اس کے اندر ایک خاص طرح کی حساسیت پیدا ہوتی ہے جو اس کو اس معاملہ کے موافق اور مخالف پہلوؤں کی پہچان کرا دیتی ہے۔ یہ فرقانی معاملہ ہر ایک کے ساتھ پیش آتا ہے خواہ وہ ایک مذہبی آدمی ہو یا ایک تاجر اور ڈاکٹر اور انجینیر۔ کوئی بھی آدمی جب اپنے کام سے تقویٰ (کھٹک) کی حد تک اپنے کو وابستہ کرتا ہے تو اس کو اس معاملہ کی ایسی معرفت ہو جاتی ہے کہ ادھر اُدھر کے مغالطوں میں اُلجھے بغیر وہ اس کی حقیقت تک پہنچ جائے۔

کسی آدمی کے اندر یہ خدائی بصیرت (فرقان) پیدا ہونا اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ وہ برائیوں سے بچے، وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو درست کرے اور بالآخر خدا کے فضل کا مستحق بن جائے۔ یہ فرقان (حق و باطل کی نفسیاتی تمیز) پیدا ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو حق کے ساتھ اتنا زیادہ وابستہ کر چکا ہے کہ اس میں اور حق میں کوئی فرق نہیں رہا۔ وہ اور حق دونوں ایک دوسرے کا مثنیٰ بن چکے ہیں۔ اس کے بعد اس کا بچایا جانا اتنا ہی ضروری ہو جاتا ہے جتنا حق کو بچایا جانا۔ ایسے لوگ براہ راست خدا کی پناہ میں آجاتے ہیں۔ اب ان کے خلاف تدبیریں کرنا خود حق کے خلاف تدبیریں کرنا بن جاتا ہے۔ اور خدا کے خلاف تدبیر کرنے والا ہمیشہ ناکام رہتا ہے خواہ اس نے کتنی ہی بڑی تدبیر کر رکھی ہو۔

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی کلام پیش کر دیں یہ تو بس اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہی حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اور اللہ ایسا کرنے والا نہیں کہ ان کو عذاب دے اس حال میں کہ تم ان میں موجود ہو اور اللہ ان پر عذاب لانے والا نہیں جب کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ اور اللہ ان کو کیوں نہ عذاب دے گا حالاں کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی نہیں۔ اس کے متولی تو صرف اللہ سے ڈرنے والے ہو سکتے ہیں۔ مگر ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے۔ اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ پس اب چکھو عذاب اپنے کفر کا ۳۵ ـ ۳۱

ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں، ہم تا حق پر ہیں تو ہمارے اوپر پتھر کیوں نہیں برستا ——— یہ سب گھمنڈ کی باتیں ہیں۔ آدمی جب دنیا میں اپنے کو محفوظ حیثیت میں پاتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ حق کا انکار کرنے یا اس کو نظر انداز کرنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا تو اس کے اندر جھوٹے اعتماد کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ بالکل درست ہے۔ اس کا یہ احساس اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلواتا ہے جو عام حالات میں کسی کی زبان سے نہیں نکلتے۔

اس قسم کے لوگوں میں یہ دلیری خدا کے قانون مہلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا یقیناً مجرموں کو سزا دیتا ہے مگر خدا کی سنت یہ ہے کہ وہ آدمی کو ہمیشہ اس وقت پکڑتا ہے جب کہ اس کے اوپر حق و باطل کی وضاحت کا کام مکمل طور پر انجام دے دیا گیا ہو۔ اس کام کی تکمیل سے پہلے کسی کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔ نیز یہ کہ دعوتی عمل کے درمیان اگر ایک ایک دو دو آدمی اس سے متاثر ہو کر اپنی اصلاح کر رہے ہوں تب بھی سزا کا نزول رکا رہتا ہے تاکہ یہ عمل اس حد تک مکمل ہو جائے کہ جتنی سعید روحیں ہیں سب اس سے باہر آ چکی ہوں۔

امتوں میں بگاڑ آتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے درمیان سے دین کی صورتیں مٹ جائیں۔ بگاڑ کے زمانہ میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ خوف خدا والا دین جاتا رہتا ہے اور اس کی جگہ دھوم دھام والا دین آ جاتا ہے۔ اب قوم کے پاس عمل نہیں ہوتا بلکہ ماضی کی شخصیتیں اور ان کے نام پر قائم شدہ گدیاں ہوتی ہیں۔ لوگ ان شخصیتوں اور ان گدیوں سے وابستہ ہو کر سمجھتے ہیں کہ ان کو وہی عظمت حاصل ہو گئی ہے جو تاریخی اسباب سے خود ان شخصیتوں اور گدیوں کو حاصل ہے۔ لوگ اندر سے خالی ہوتے ہیں مگر بڑے بڑے ناموں پر نمائشی اعمال کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بڑا دینی کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

مکہ کے لوگ اسی قسم کی نفسیات میں مبتلا تھے۔ ان کو فخر تھا کہ وہ بیت اللہ کے وارث ہیں۔ ابراہیم و اسماعیل جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی امت ہیں۔ ان کو کعبہ کے خادم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جب ان کو اتنے دینی اعزازات حاصل ہیں اور وہ اتنے بڑے بڑے دینی کارنامے انجام دے رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ خدا ان کو جہنم میں ڈال دے۔

جن لوگوں نے انکار کیا وہ اپنے مال کو اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ وہ اس کو خرچ کرتے رہیں گے پھر یہ ان کے لئے حسرت بنے گا پھر وہ مغلوب کئے جائیں گے۔ اور جنھوں نے انکار کیا ان کو جہنم کی طرف اکھٹا کیا جائے گا۔ تاکہ اللہ ناپاک کو الگ کر دے پاک سے اور ناپاک کو ایک پر ایک رکھے پھر اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے، یہی لوگ ہیں خسارہ میں پڑنے والے ۳۷-۳۶

انسانوں میں کچھ پاک ہیں اور کچھ ناپاک۔ کچھ روحوں کی غذا وہ چیزیں ہوتی ہیں جو خدا کو پسند ہیں اور کچھ روحوں کو ان چیزوں میں لذت ملتی ہے جو ان کے نفس کو یا شیطان کو مرغوب ہیں۔

عام حالات میں یہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں۔ بظاہر ان میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان حق و باطل کی کش مکش برپا کرتا ہے تاکہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ کون کیا تھا اور کون کیا تھا۔

اس کش مکش کے دوران کھل جاتا ہے کہ کون حق کے سامنے آنے کے بعد فوراً اس کو مان لیتا ہے اور کون وہ ہے جو اس کا انکار کر دیتا ہے۔ کون دوسروں کے ساتھ معاملہ پڑنے پر انصاف کی حد پر قائم رہتا ہے اور کون بے انصافی پر اتر آتا ہے۔ کون خدا کی زمین میں متواضع بن کر رہتا ہے اور کون سرکش بن کر۔ کون سچائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے والا ہے اور کون تعصب اور نمائش کی راہ میں۔

جو لوگ حق کو چھوڑ کر دوسری راہوں میں اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں ان کے اس عمل کو شیطان ان کی نظر میں اس طرح حسین بناتا رہتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اعلیٰ کارنامے انجام دے رہے ہیں، وہ شاندار مستقبل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مگر اس غلط فہمی کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ بہت جلد آدمی پر وہ وقت آجاتا ہے جب کہ وہ جان لیتا ہے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ صرف اپنی قوت اور اپنے مال کو ضائع کرنا تھا، وہ جس مستقبل کی طرف بڑھ رہا تھا وہ حسرت اور مایوسی کا مستقبل تھا، اگرچہ جھوٹی خوش فہمی کے تحت وہ اس کو روشن مستقبل کی طرف سفر کے ہم معنی سمجھتا رہا تھا۔

بے آمیز حق کی دعوت اٹھتی ہے تو وہ تمام لوگ اپنے اوپر اس کی زد پڑتی ہوئی محسوس کرتے ہیں جو ملاوٹی دین کی بنیاد پر سرداری قائم کئے ہوئے تھے۔ وہ اس رواجی ڈھانچہ کی حفاظت میں اپنی ساری طاقت خرچ کر دیتے ہیں جس کے اندر انھیں بڑائی کا مقام حاصل ہے۔ مگر ایسے لوگ بے آمیز حق کے مقابلہ میں لازماً ناکام ہوتے ہیں، کبھی دلیل کے میدان میں اور کبھی اسی کے ساتھ عمل کے میدان میں بھی۔

موجودہ دنیا کے ہنگامے صرف اس لئے جاری کئے گئے ہیں کہ پاک روحوں اور ناپاک روحوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ یہ چھانٹنے کا عمل جب پورا ہو جائے گا تو خدا پاک روحوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور ناپاک روحوں کو ایک ساتھ جمع کر کے جہنم میں دھکیل دے گا۔

انکار کرنے والوں سے کہو کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ انھیں معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ پھر وہی کریں گے تو ہمارا معاملہ اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے۔ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ کے لئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ دیکھنے والا ہے ان کے عمل کا۔ اور اگر انھوں نے اعراض کیا تو جان لو کہ اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ۴۰ - ۳۸

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو شخص جیسا عمل کرے اس کے مطابق وہ اپنا بدلہ پائے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس عام اصول میں اپنی رحمت سے ایک خاص استثنار کھا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی جب "توبہ" کرلے تو اس کے بعد اس کے پچھلے اعمال پر اس کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ ایک شخص خدا سے دوری کی زندگی گزار رہا تھا۔ پھر اس کو ہدایت کی روشنی ملی۔ اس نے سچا مومن بن کر صالح زندگی اختیار کر لی تو اس سے پہلے اس نے جو برائیاں کی تھیں وہ سب معاف کر دی جائیں گی۔ اس کے پچھلے گناہوں کی بنا پر اس کو نہیں پکڑا جائے گا۔

ٹھیک یہی اصول اجتماعی اور سیاسی معاملہ میں بھی ہے۔ کسی مقام پر حق اور باطل کی کشمکش برپا ہوتی ہے آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے، اس ٹکراؤ کے دوران میں باطل کے علم بردار حق کے لئے اٹھنے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ بالآخر جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ حق پرست غالب آجاتے ہیں اور ناحق کے علم دار مغلوب ہو کر زیر کر دئے جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں بھی اسلام کا اصول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی فتح کے بعد پچھلے ظلم وستم پر کسی کو سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ جو شخص فتح کے بعد کوئی ایسی حرکت کرے جو اسلامی قانون میں جرم قرار دی گئی ہو تو ضروری کارروائی کے بعد اس کو وہ سزا ملے گی جو شریعت نے ایسے ایک مجرم کے لئے مقرر کی ہے۔

فتنہ کا مطلب ستانا (Persecution) ہے۔ قدیم زمانہ میں سرداری اور حکومت شرک کی بنیاد پر قائم ہوتی تھی۔ آج حکومت کرنے والے عوام کا نمائندہ بن کر حکومت کرتے ہیں، ماضی میں خدا یا خدا کے شریکوں کا نمائندہ بن کر لوگ حکومت کیا کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں شرک کو قدیم سماج میں با اقتدار حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اہل شرک اہل توحید کو ستاتے رہتے تھے۔ اللہ نے اپنے رسول اور آپ کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ شرک اور اقتدار کے باہمی تعلق کو توڑ دو تاکہ مشرکین اہل توحید کو ستانے کی طاقت سے محروم ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کے ذریعہ جو عالمی انقلاب آیا اس نے ہمیشہ کے لئے شرک کا رشتہ سیاسی نظام سے ختم کر دیا۔ اب شرک ساری دنیا میں صرف ایک مذہبی عقیدہ ہے نہ کہ وہ سیاسی نظریہ جس کی بنیاد پر حکومتوں کا قیام عمل میں آتا ہے۔

تاہم جہاں تک عرب کا تعلق ہے وہاں یہ مقصد دہرا صورت میں مطلوب تھا، یہاں شرک اور مشرکین دونوں کو ختم کرنا تھا تاکہ حرمین کے علاقہ کو ابدی طور پر خالص توحید کا مرکز بنا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکال دو۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شروع ہوا اور حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانہ میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔

اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تمھیں حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر اتاری فیصلہ کے دن، جس دن کہ دونوں جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۴۱

غنیمت عربی زبان میں اس مال کو کہتے ہیں جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑ کر حاصل کیا گیا ہو۔ قدیم زمانہ میں یہ رواج تھا کہ جنگ کے بعد دشمن کی جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ اسی کی سمجھی جائے۔ اسلام نے یہ اصول مقرر کیا کہ ہر ایک کو جو کچھ ملا ہو وہ سب کا سب لا کر امیر کے پاس جمع کرے، کوئی شخص سوئی کا دھاگا تک چھپا کر نہ رکھے۔

اس طرح سارا مال غنیمت اکٹھا کرنے کے بعد اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا ہے جس کو رسول نیابت کے طور پر وصول کرکے پانچ جگہ اس طرح خرچ کرے گا کہ ——— ایک حصہ اپنی ذات پر، پھر اپنے ان رشتہ داروں پر جنھوں نے رشتہ کی بنیاد پر مشکل وقتوں میں آپ کے دینی مشن میں آپ کا ساتھ دیا، اور یتیموں پر اور حاجت مندوں پر اور مسافروں پر ——— اس کے بعد بقیہ چار حصے کو تمام فوجیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے کہ سوار کو دو حصہ ملے اور پیدل کو ایک حصہ۔

اسلام یہ ذہن بنانا چاہتا ہے کہ آدمی جو چیز پائے اس کو وہ خدا کی طرف سے ملی ہوئی چیز سمجھے۔ اس دنیا میں کسی واقعہ کو ظہور میں لانے کے لئے بے شمار اسباب کی بیک وقت موافقت ضروری ہے جو کسی بھی انسان کے بس میں نہیں۔ بدر کی لڑائی میں ایک بے حد طاقت ور گروہ کے مقابلہ میں ایک کمزور گروہ کا فیصلہ کن طور پر غلبہ پانا اس بات کا ایک غیر معمولی ثبوت تھا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوا ہے۔ ایسی حالت میں فتح کے بعد ملی ہوئی چیز کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی چیز سمجھنا عین اس حقیقت کو ماننا تھا جو واقعات کے نتیجہ میں فطری طور پر سامنے آئی ہے۔

مال غنیمت میں دوسرے مستحق بھائیوں کا حصہ رکھنا اس بات کا سبق ہے کہ اموال میں حق دار ہونے کی بنیاد صرف محنت اور وراثت نہیں بلکہ ایسی بنیادیں بھی ہیں جو محنت اور وراثت جیسی چیزوں کے دائرہ میں نہیں آتیں۔ استحقاق کی ان دوسری مدوں کا اعتراف گویا اس واقعہ کا عملی اعتراف ہے کہ آدمی چیزوں کو خدا کی چیز سمجھتا ہے نہ کہ اپنی چیز۔

غنیمت کے اس قانون میں تیسرا زبردست سبق یہ ہے کہ ملکیت کی بنیاد قبضہ نہیں بلکہ اصول ہے۔ کوئی شخص محض اس بنا پر کسی چیز کا مالک نہیں بن جاتا کہ وہ اتفاق سے اس کے قبضہ میں آگئی ہے۔ قبضہ کے باوجود آدمی کو چاہئے کہ اس چیز کو ذمہ دار افراد کے حوالے کرے اور اصولی اور قانونی بنیاد پر اس کو جتنا ملنا چاہئے اس کو لے کر اس پر راضی ہو جائے۔

اور جب کہ تم وادی کے قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر۔ اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اور اگر تم اور وہ وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارے میں تم میں اختلاف ہو جاتا۔ لیکن جو ہوا وہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ اُس امر کا فیصلہ کر دے جس کو ہو کر رہنا تھا، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جس کو زندگی حاصل کرنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب اللہ تمہارے خواب میں ان کو تھوڑا دکھاتا رہا۔ اگر وہ ان کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں۔ لیکن اللہ نے تم کو بچا لیا۔ یقیناً وہ دلوں تک کا حال جانتا ہے۔ اور جب اللہ نے ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی نظر میں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ اس امر کا فیصلہ کر دے جس کا ہونا طے تھا۔ اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ۴۴۔۴۲

اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا لوگوں پر پوری طرح کھل جائے۔ یہ کام ابتداءً دعوت کے ذریعہ دلائل کی زبان میں ہوتا ہے۔ داعی طاقت ور اور عام فہم دلائل کے ذریعہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کرتا ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے اس کام کی تکمیل بالآخر غیر معمولی واقعات سے کی جاتی ہے، خواہ یہ غیر معمولی واقعہ کوئی آسمانی معجزہ ہو یا زمینی غلبہ۔ بدر کی جنگ میں یہی دوسرا واقعہ پیش آیا۔

قریش مکہ سے اس لئے نکلے کہ شام سے آنے والے اپنے تجارتی قافلہ کی مدد کریں۔ مسلمان مدینہ سے اس لئے نکلے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کریں۔ تجارتی قافلہ معروف راستہ کو چھوڑ کر سمندری ساحل سے گزرا اور بچ گیا۔ اور یہ دونوں فریق بدر پہنچ کر آمنے سامنے ہو گئے۔ یہ اللہ کی تدبیر سے ہوا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر اہل ایمان کو فتح دی گئی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مشن کی صداقت لوگوں پر پوری طرح کھل گئی۔ جو لوگ سچے طالب تھے ان پر آخری حد تک یہ بات واضح ہو گئی کہ یہی حق ہے۔ اور جو لوگ اپنے اندر کسی قسم کی نفسیاتی پیچیدگی لئے ہوئے تھے انھوں نے اس کے بعد بھی اپنے مسلک پر قائم رہ کر ثابت کر دیا کہ وہ اسی قابل ہیں کہ انھیں ہلاک کر دیا جائے۔

بدر میں قریش کی فوج کی تعداد زیادہ تھی۔ اگر مسلمان ان کی اصل تعداد کو دیکھتے تو کوئی کہتا کہ لڑو اور کوئی کہتا کہ نہ لڑو۔ اس طرح اختلاف پیدا ہو جاتا اور اصل کام ہونے سے رہ جاتا۔ خدا نے حسب موقع کبھی تعداد گھٹا کر دکھائی اور کبھی بڑھا کر۔ اس طرح ممکن ہو سکا کہ تمام مسلمان بے جگری کے ساتھ لڑیں۔ خدا کو جب کوئی کام مطلوب ہوتا ہے تو وہ اسی طرح اپنی مدد بھیج کر اس کام کی تکمیل کا سامان کر دیتا ہے۔

عمل کے دوران جو حالات پیش آتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں کہ کس شخص نے اپنے حالات کے اندر کس قسم کا ردعمل پیش کیا۔

اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری آجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں کے سے نہ بنو جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ۔ حالاں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۴۷ — ۴۵

کامیابی خدا کی مدد سے آتی ہے۔ مگر خدا کی مدد ہمیشہ اسباب کے پردہ میں آتی ہے نہ کہ بے اسبابی کے حالات میں۔ مسلمان اگر اپنے ممکن اسباب کو جمع کر دیں تو بقیہ کمی خدا کی طرف سے پوری کر کے انھیں کامیاب کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ بے اسبابی کا مظاہرہ کریں تو خدا کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ بے اسبابی کے نقشہ میں ان کے لئے اپنی مدد نہ بھیج دے

اسباب کیا ہیں۔ اسباب یہ ہیں کہ مسلمان اقدام میں پہل نہ کریں۔ وہ اپنی جڑوں کو مضبوط کرنے میں لگے رہیں تا آنکہ حریف خود چڑھائی کر کے ان سے لڑنے کے لئے آجائے۔ پھر جب ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے تو وہ اس کے مقابلہ میں پوری طرح جماؤ کا ثبوت دیں۔ اللہ کی یاد، بالفاظ دیگر، مقصودِ اصلی کا مکمل استحضار رکھیں تاکہ ان کا قلبی حوصلہ باقی رہے۔ سردار کے حکم کے تحت پوری طرح منظم رہیں۔ باہمی اختلافات کو نظر انداز کریں نہ یہ کہ اختلافات کو بڑھا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ وہ اپنے اتحاد سے حریف کو مرعوب کر دیں۔ وہ صبر کریں، یعنی جوش کے بجائے ہوش کو اپنائیں۔ جلد کامیابی کے شوق میں غیر پختہ اقدام نہ کریں۔ ان کی نظر ہمیشہ آخری منزل پر ہو نہ کہ وقتی مصالح اور منافع پر ——— انھیں چیزوں کا نام اسباب ہے اور انھیں اسباب کے پردہ میں خدا کی مدد آتی ہے۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں خدا "غیب" میں رہ کر اپنے تمام تصرفات انجام دیتا ہے، اسی لئے جب وہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے تو اسباب کے پردہ میں کرتا ہے۔ مسلمان اگر اسباب کا ماحول پیدا نہ کریں وہ بے حوصلگی کا ثبوت دیں، وہ ابتدائی تیاری کے بغیر اقدامات کرنے لگیں۔ وہ اختلاف و انتشار میں مبتلا ہوں، تو ان کو کبھی یہ امید نہ کرنی چاہئے کہ خدا غیب کا پردہ پھاڑ کر سامنے آجائے گا اور بے اسبابی کا شکار ہونے کے باوجود ماورائے اسباب طریقوں سے ان کی مدد کر کے ان کے تمام کام بنا دے گا۔

مسلمان اگر اپنے حریف کے مقابلہ میں اپنے کو بہتر حالات میں پائیں تب بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کافروں کی طرح اپنی طاقت پر گھمنڈ کریں، وہ فخر و نمائش کے جذبات میں مبتلا ہو جائیں۔ وہ بڑائی کے زعم میں اس حد تک آگے بڑھیں کہ ایک شخص کے صرف اس لئے مخالف بن جائیں کہ وہ ایسے حق کی دعوت دے رہا ہے جس کی زد خود ان کی اپنی ذات پر بھی پڑ رہی ہے۔

اور جب شیطان نے انھیں ان کے اعمال خوش نما بنا کر دکھائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمھارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہا کہ میں تم سے بری ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ جب منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے ۴۸-۴۹

مکہ کے مخالفین اپنے آپ کو برسرِ حق اور پیغمبر کے ساتھیوں کو برسرِ باطل سمجھتے تھے۔ اس پر ان کو اتنا یقین تھا کہ انھوں نے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کی کہ خدایا، دونوں فریقوں میں سے جو فریق حق پر ہو تو اس کو کامیاب کر اور جو فریق باطل پر ہو تو اس کو ہلاک کر دے۔ تاہم ان کا یہ یقین جھوٹا یقین تھا۔ اس قسم کا یقین ہمیشہ شیطان کی تزئین کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

شیطان نے مکہ کے لوگوں کو سکھایا کہ تم تاریخ کے مسلّمہ پیغمبروں (ابراہیمؑ و اسماعیلؑ) کے ماننے والے ہو جب کہ مسلمان ایک ایسے شخص کو مانتے ہیں جس کا پیغمبر ہونا ابھی ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ تم کعبہ کے وارث ہو جب کہ مسلمانوں کو کعبہ کی سرزمین سے نکال دیا گیا ہے۔ تم اسلاف کی روایتوں کو قائم رکھنے کے لئے لڑ رہے ہو جب کہ مسلمان اسلاف کی روایتوں کو توڑنے کے لئے اٹھے ہیں۔ شیطان نے مکہ والوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات ڈال کر ان کو جھوٹے یقین میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بالکل درست کر رہے ہیں اور خدا کی مدد بہر حال ہمیں حاصل ہو گی۔

مکہ کے مخالفین ایک طرف اپنے جھوٹے یقین کو اس قسم کی چیزوں کی بنا پر سچا یقین سمجھ رہے تھے۔ دوسری طرف جب وہ دیکھتے کہ پیغمبر کے ساتھی ان سے بھی زیادہ یقین اور سرفروشی کے جذبہ کے ساتھ اسلام کے محاذ پر اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہیں تو وہ ان کے سچے یقین کو یہ کہہ کر بے اعتبار ثابت کرتے تھے کہ یہ محض ایک مذہبی جنون ہے۔ وہ ایک شخص (پیغمبر) کی خوبصورت باتوں سے جوش میں آکر دیوانے ہو رہے ہیں۔ ان کے یقین اور قربانی کی اس سے زیادہ اور کوئی حقیقت نہیں۔

مگر جب دونوں گروہوں میں مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے لئے اللہ کی مدد اتر پڑی تو شیطان مخالفینِ اسلام کو چھوڑ کر بھاگا۔ ایک طرف خدا کی مدد سے مسلمانوں کے دل اور زیادہ قوی ہو گئے۔ دوسری طرف مخالفین کا جھوٹا یقین بے دلی اور پست ہمتی میں تبدیل ہو گیا۔ کیونکہ ان کا اعتماد شیطان پر تھا اور شیطان اب ان کو چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔

جو لوگ اللہ پر بھروسہ کریں اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے۔ مگر اللہ کی مدد ہمیشہ اس وقت آتی ہے جب کہ اہلِ ایمان اللہ پر یقین کا اتنا بڑا ثبوت دے دیں کہ بے یقین لوگ کہہ اٹھیں کہ یہ مجنون ہو گئے ہیں۔

اسلام کی زمین

قدیم عربوں میں انسان کے اعلیٰ کردار کو بتانے کے لئے دو لفظ خاص طور پر بہت اہمیت رکھتے تھے ۔ مروۃ اور عرض ۔ مروۃ کا لفظ مر سے بنا ہے ۔ اس کے لفظی معنی ہیں مردانگی ۔ قدیم عرب کے ذہن میں مروۃ (یا مروّت) کا لفظ ان تمام خصوصیات کا جامع تھا جو ایک سچے مرد کے اندر ہونی چاہئیں ۔ مثلاً حوصلہ ، بہادری ، فیاضی ، عالی ظرفی ، قول کا پکا ہونا ، کمزوروں کی حمایت ، اختلاف اور شکایت کے باوجود بہتر سلوک وغیرہ ۔ جاہلی دور کا ایک شاعر کہتا ہے :

اذا المرء اعیتہ المروۃ ناشئا   فمطلبہا کھلا علیہ شدید

آدمی اگر جوانی میں مروۃ کے درجہ تک پہنچنے سے عاجز رہے تو بڑھاپے میں اس کو حاصل کرنا اس کے لئے بہت دشوار ہے ۔

دوسرا لفظ عرض ہے ۔ عرض کے معنی ہیں آبرو ، عزت ۔ یعنی آدمی میں یہ جوہر ہونا کہ وہ کچھ اخلاقیات کو اپنے لئے عزت کا سوال سمجھے اور ہر حال میں اس کو کرے خواہ اس کے کرنے میں کتنی ہی مشکل پیش آئے اور اسی طرح کچھ خلاف اخلاق باتوں کو وہ اپنی عزت اور آن کے خلاف سمجھے اور کسی حال میں اس کے قریب نہ جائے ۔ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے :

اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضہ   فکل رداء یرتدیہ جمیل

آدمی اگر ذلیل حرکت سے اپنی عرض کو داغدار نہ کرے تو جو چادر بھی وہ اوڑھے وہ اس کے لئے اچھی ہے ۔

یہ مردانگی اور آن عربوں میں کمال درجہ میں تھی ۔ ان کے قول و فعل میں کوئی فرق نہ تھا ۔ وہ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے اور جو کرتے تھے وہی کہتے تھے ۔ وہ وعدہ سے پھرنا نہیں جانتے تھے ۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی کوئی پست حرکت نہیں کر سکتے تھے ۔ کوئی مظلوم جب ان کو پکارتا تھا تو اس کی پکار پر دوڑنا وہ اپنے لئے فرض سمجھتے تھے ۔ ان سے کوئی شخص عالی ظرفی سے کم تر درجہ کے سلوک کی امید نہیں کر سکتا تھا ۔ وہ اپنے مخالف کے بارے میں بھی کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے جو واقعہ کے خلاف ہو ۔ وہ جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے اس سے ہٹنا ان کے لئے ناممکن تھا خواہ اس کی خاطر انھیں کتنی ہی قربانی دینی پڑے ۔ وہ جس معیار سے اپنے آپ کو دیکھتے تھے اسی معیار سے دوسروں کو بھی دیکھتے تھے ۔ وہ شرافت اور عالی ظرفی کو اپنی آن کا مسئلہ سمجھتے تھے اور اس کی خاطر مرمٹنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے ۔

یہی انسانی کردار وہ ابتدائی بنیاد ہے جس پر اسلام کی بلند عمارت کھڑی ہوتی ہے ۔ جن لوگوں میں یہ اعلیٰ اوصاف ہوں وہی خدا کے دین کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں ۔ جو لوگ ان ابتدائی خصوصیات سے خالی ہوں وہ گویا

اس بنیاد ہی سے محروم ہیں جس کے اوپر دین کی بلند و بالا عمارت قائم ہوتی ہے۔
یہی حقیقت ہے جو ایک روایت میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

تجدون الناس معادن (کمعادن الذهب والفضة) خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا۔ وتجدون خیر الناس فی هذا الشان اشدهم له کراهیة حتی یقع فیه۔ وتجدون شر الناس ذا الوجهین الذی یاتی هؤلاء بوجه و هؤلاء بوجه (بخاری و مسلم)

تم لوگوں کو مثل کانوں کے پاؤ گے (جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں) ان میں جو لوگ قبل از اسلام بہتر تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ثابت ہوں گے جبکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرلیں۔ اور تم اس چیز (عہدہ) کے معاملہ میں سب سے بہتر اس شخص کو پاؤ گے جو اس سے انتہائی بے رغبت ہو اور تم لوگوں میں سب سے برا اس شخص کو پاؤ گے جو دو منھ والا ہو۔ وہ ایک کے پاس ایک منھ لے کر جائے اور دوسرے کے پاس دوسرا منھ۔

زمین میں طرح طرح کی معدنی کانیں ہیں۔ کسی سے کوئلہ جیسی معمولی چیز نکلتی ہے اور کسی سے سونے چاندی جیسی قیمتی دھاتیں۔ یہی حال انسان کا ہے۔ انسان بھی طرح طرح کی صلاحیتوں کے ہیں۔ ہر آدمی گویا ایک کان ہے۔ ان میں سے کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو "کھودا" جائے تو اس کے اندر سے کوئلہ اور کنکر جیسی چیزیں نکلیں گی۔ اور کوئی ایسا ہے کہ اس کو کھودئے تو اس کے اندر سے سونے جیسا قیمتی کردار برآمد ہوگا۔ یہی چیز اسلام میں آدمی کے مقام کو متعین کرتی ہے۔ جو آدمی اپنے اندر کمزور عمل اور سطحی نفسیات لئے ہوئے ہو وہ جب اسلام میں آئے گا تو یہاں بھی اس سے کمزوری اور سطحیت کا مظاہرہ ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی فطرت میں طاقت ور ارادہ اور اعلیٰ جذبات کا خزانہ چھپائے ہوئے ہو وہ جب اسلام کی صف میں آئے گا تو اس سے طاقت ور کردار اور برتر سلوک جیسی چیزوں کا اظہار ہوگا۔

حدیث میں بغرض وضاحت دونوں قسم کے انسانوں کی ایک ایک مثال دی گئی ہے۔ ایک انسان وہ ہے جو سونا انسان ہے اور دوسرا انسان وہ ہے جو کوئلہ انسان ہے ——— "سونا انسان" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جاہ اور اقتدار سے انتہائی حد تک بے رغبت ہوتا ہے۔ وہ خدا کی بڑائی میں جیتا ہے۔ اس لئے اس کے دل میں یہ تمنا جگہ نہیں پکڑتی کہ وہ اپنی بڑائی کا مینار قائم کرے۔ اس کے برعکس "کوئلہ انسان" کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ موقع پرست ہوتا ہے۔ وہ حالات کے لحاظ سے کلام کرتا ہے۔ جہاں جیسے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے وہاں اس کے مطابق الفاظ بول دیتا ہے۔ پہلی قسم کے لوگ بہترین لوگ ہیں اور دوسری قسم کے لوگ بدترین لوگ۔

ذرہ سے پہاڑ تک

ایک پرانی کہاوت ہے: "اگر تم پہاڑ کو سرکانا چاہتے ہو تو پہلے ذروں کو سرکانا سیکھو" آدمی اگر یکبارگی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو وہ اس کو نہیں ہٹا سکتا۔ لیکن اگر وہ اس راز کو جان لے کہ پہاڑ بہت سے چھوٹے چھوٹے ذروں سے مل کر بنا ہے تو وہ ذروں سے اپنا عمل شروع کرکے یقیناً ایک روز پہاڑ تک پہنچ جائے گا۔ ذروں کو پکڑتے پکڑتے کوئی بھی شخص پہاڑ کو پکڑ سکتا ہے۔ مگر جو آدمی پہلے ہی دن پہاڑ کو پکڑنا چاہے وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

زندگی میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔ ناممکن صرف یہ ہے کہ ممکن چیز کو ناممکن طریقہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ ایک ایک اینٹ رکھ کر یقینی طور پر اپنے لئے ایک مکان تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ چاہیں کہ یکایک پورا مکان آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے تو ایسا مکان کبھی آپ کے لئے تیار نہ ہوگا۔ دنیا کے بنانے والے نے اس دنیا کو اس طرح بنایا ہے کہ یہاں جزء سے کل تک پہنچنے کا قانون رائج ہے۔ آدمی کو قدرت کے اسی قانون کی پیروی کرنی ہے۔ اس دنیا میں اس کے سوا کوئی اور طریقہ کامیابی حاصل کرنے کا نہیں۔

اکثر لوگوں کی ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ "ذرہ" سے اپنا کام شروع کرنا نہیں چاہتے بلکہ پورے "پہاڑ" کو یکبارگی اپنی جگہ سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک ایک ذرہ سے نمٹنے میں تو بہت دیر لگے گی، کیوں نہ پورے پہاڑ کو اکھٹے ہی سر کر لیا جائے۔ مگر یہ بہت بڑی بھول ہے۔ ذرہ ذرہ سے چلنے والے کے لئے تو کسی نہ کسی دن پہاڑ کی منزل آجائے گی۔ مگر جو شخص پورے پہاڑ پر بیک وقت قابو پانا چاہے گا وہ کبھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوگا، خواہ اس میں وہ کروروں سال بتا دے۔

ایک مقام پر دو بھائی تھے۔ ایک بھائی فوری طور پر بڑا فائدہ چاہتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا "دے مولا چھپن کرور کی چوتھائی" پہلے وہ ایک عرصہ تک عملیات اور تسخیری ورزشیں کرتا رہا تاکہ جنوں کو قبضہ میں کرے اور ان کے ذریعہ سے اچانک کوئی بڑا خزانہ حاصل کرلے۔ مگر سالہا سال کی محنت کے باوجود وہ کسی جن کو مسخر نہ کر سکا۔ اس کو نہ کوئی جن ملا اور نہ کوئی خزانہ۔ اس کے بعد اس نے لاٹری اور معمے کا تجربہ شروع کیا۔ سارے مہینہ اس کا یہ مشغلہ رہتا کہ لاٹری کے ٹکٹ خریدتا اور معمے بھر کر روانہ کر دیتا۔ اس میں بھی کتنے سال گزر گئے۔ مگر چھپر پھاڑ کر دولت اس کے اوپر نہیں برسی۔ آخر کار مایوسی کے عالم میں ایک روز اس کا انتقال ہوگیا۔

دوسری طرف اس کے دوسرے بھائی نے یہ کیا کہ پہلے انھوں نے کتابت سیکھی۔ ایک عرصہ تک وہ اخباروں اور رسالوں میں کتابت کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک پرنٹنگ پریس میں ملازمت کرلی۔ جب چھپائی کا کام اچھی طرح آگیا تو انھوں نے ایک چھوٹا سا ہینڈ پریس خرید لیا۔ اب وہ مزید ترقی کرکے ایک بڑا چھاپہ خانہ کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اس میں وہ اور ان کے سب بچے لگے ہوئے ہیں۔ وہ عزت کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کی سب ضرورتیں

فراغت کے ساتھ پوری ہو رہی ہیں ـــــــ ایک بھائی نے بیک وقت پورے پہاڑ کو قبضہ میں لینا چاہا، وہ ناکام ہو گیا۔ دوسرا بھائی ذرہ ذرہ کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھا، وہ کامیاب رہا۔

اسماعیل میرٹھی اردو کے مشہور شاعر اور ادیب گزرے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے:

یوں ہی پھوئیوں پھوئیوں بھرے جھیل تال　　یوں ہی کوڑی کوڑی ہوا جمع مال

یہ شعر ایک ایسی حقیقت بیان کر رہا ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں صد فی صد درست ہے۔ گنگا یا اور کوئی بڑا دریا میدانی علاقہ میں سمندر کا ایک پھیلا ہوا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ اس کو اس پہاڑی مقام پر دیکھیں جہاں سے وہ شروع ہوتا ہے تو آپ پائیں گے کہ میدان کا عظیم دریا پہاڑ کا معمولی چشمہ ہے۔ یہاں کی برفانی بلندی پر آپ کو بالکل دوسرا منظر دکھائی دے گا۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر پانی کی چھوٹی چھوٹی بے شمار دھاریں بہہ بہہ کر نیچے ایک مقام پر آکر ملتی ہیں۔ یہاں ان کے ملنے سے دریا بنتا ہے۔ یہ دھاریں الگ الگ بس پانی کی سوت سی ہوتی ہیں۔ مگر ان کے یک جا ہونے سے ایک بڑا دھارا بہہ نکلتا ہے جو آگے میدانی علاقہ میں پہنچ کر دریا کہلاتا ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ پہاڑ کی چوٹی سے پہلے ہی قدم پر ایک گنگا بہا دے تو ایسا گنگا کبھی وجود میں نہ آئے گا۔ گنگا پانی کی بہت سی چھوٹی چھوٹی سوتوں سے مل کر بنتا ہے نہ کہ اچانک پانی کا سمندر بہہ پڑنے سے۔

معتدل زندگی

جاپان میں ایک شخص ہے جس کا نام ہے شیگی چیوا ایزومی۔ وہ دنیا کا سب سے زیادہ معمر آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش ۲۹ جون ۱۸۶۵ میں ہوئی تھی۔ اتنی زیادہ عمر کے باوجود ابھی تک اس کی جسمانی حالت بہت اچھی ہے۔ وہ جنوبی جاپان کے ایک جزیرہ ٹوکونوشیما میں ایک نارمل آدمی کی طرح رہتا ہے۔ غیر معمولی طور پر لمبی عمر کے باوجود تندرست ہونے کی وجہ سے اس نے بہت شہرت پائی ہے۔ وہ جاپان میں آنے والے سیاحوں کی فہرست کا ضروری جزء بن گیا ہے۔ چنانچہ ہر روز تقریباً ۲۰۰ سیاح اس کو دیکھنے کے لئے اس جاپانی جزیرہ میں پہنچتے ہیں۔ اس سے ملنے والے عام طور پر ایک سوال ضرور کرتے ہیں: "آپ کے نزدیک زندگی گزارنے کا بہتر طریقہ کیا ہے" ایزومی کے الفاظ میں اس کا جواب یہ ہے کہ:

Live an ordinary life and don't go to extremes

معمولی زندگی گزارو اور کسی معاملہ میں انتہا پسندی تک نہ جاؤ (ہندستان ٹائمس ۸ جولائی ۱۹۸۱)

یہ بظاہر سیدھی سادی بات بہت قیمتی بات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی اگر کھانے، کپڑے، مکان اور دوسری ضروریات زندگی میں سادہ اور معمولی طریقہ کو اپنا لے تو وہ کہیں زیادہ سکھی اور تندرست رہے اور بہت سی الجھنوں اور دشواریوں سے اپنے آپ بچ جائے۔ زیادہ تر مسئلے غیر ضروری تکلفات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے بچنے کی سب سے زیادہ آسان تدبیر یہ ہے کہ اس قسم کے غیر ضروری تکلفات کو اپنی زندگی میں شامل ہی نہ کیا جائے۔

آپ کسی بھی مقام پر دونوں قسم کی مثالیں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جس پر ہر وقت یہ احساس چھایا رہتا ہے کہ اس کی پوزیشن خراب نہ ہو۔ وہ اپنے اس مزاج کی وجہ سے مہمانوں کی تواضع میں بے حد تکلف کرتا ہے۔ گھر کو سجانے میں اپنی بساط سے زیادہ پیسہ خرچ کرتا ہے۔ گھر سے باہر نکلنا ہو تو کافی وقت اس کو اپنے بنانے سنوارنے میں لگانا پڑتا ہے۔ تعلقات اور بات چیت میں خواہ مخواہ تصنع برتتا ہے۔ کوئی سفر کرنا پڑے تو ہر قسم کے لوازم کی فراہمی میں اتنا زیادہ سامان اپنے ساتھ لاد لیتا ہے کہ اس کا سفر غیر ضروری طور پر ایک مصیبت بن جائے۔ ایسا آدمی کبھی خوش نہیں ہوگا اور نہ اس کی صحت اچھی رہے گی۔

دوسری طرف وہ شخص ہے جو ضرورت دیکھتا ہے نہ کہ پوزیشن۔ جب کوئی شخص اس کے یہاں آتا ہے تو گھر میں جو کچھ موجود ہوتا ہے وہ بے تکلف اسے کھلا دیتا ہے۔ مکان کے معاملہ میں وہ صرف صفائی کو ضروری سمجھتا ہے نہ کہ سجاوٹ اور تزئین کو۔ اس کو گھر سے باہر نکلنا ہو تو اسی حال میں باہر چلا جاتا ہے جیسے کہ وہ گھر کے اندر تھا۔ اس کا سفر اتنا ہلکا پھلکا ہوتا ہے کہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کب گیا تھا اور کب واپس آگیا۔ ایسا آدمی ہمیشہ خوش رہے گا۔ اس کی صحت بھی اچھی ہوگی۔ اس کے دماغ پر کسی قسم کا تناؤ نہیں ہوگا۔ وہ دن کو نشاط کے ساتھ کام کرے گا اور رات کو چین کی نیند سوئے گا۔

اسی طرح یہ ایک واقعہ ہے کہ انتہا پسندی اکثر حالات میں آدمی کے لئے مشکلات کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے مختلف اسباب سے ایک شخص کا دوسرے سے ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ ایسے مواقع پر لوگ عام طور پر انتہا پسندانہ طریقوں کی طرف جھک جاتے ہیں۔ وہ اعتدال اور توسط کا طریقہ اختیار نہیں کر پاتے بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا پسند کرتے ہیں۔ مگر یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ کیونکہ ایک فریق کی انتہا پسندی دوسرے فریق کے اندر جوابی انتہا پسندی پیدا کرتی ہے اور مسئلہ ختم ہونے کے بجائے اور زیادہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ ایک مسئلہ کی جگہ کئی مسئلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ دوسری مثال بھی ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔ جو لوگ اپنے خلاف باتوں کا شدید اثر لیتے ہیں۔ جو دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے میں ہمیشہ آخری انتہا پر چلے جاتے ہیں، جن کی دوستی بھی حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور دشمنی بھی حد سے بڑھی ہوئی، ایسے لوگ کبھی پرسکون زندگی کے مالک نہیں بن سکتے۔ اس کے برعکس جو لوگ خلاف مزاج باتوں کو نظر انداز کریں، جو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ اعتدال کے ساتھ رائے قائم کریں، جو دوستی میں بھی درمیانی راہ اختیار کریں اور دشمنی میں بھی درمیانی راہ۔ ایسے لوگ ہمیشہ چین کے ساتھ رہیں گے۔ ان کا دن بھی سکون کے ساتھ گزرے گا اور رات بھی۔ یہی وہ زندگی ہے جس کے متعلق ویلنگٹن نے کہا ہے ——— موت کے بعد جنت میں رہنے کے لئے موت سے قبل بھی جنت میں رہنا ہوگا۔

نوٹ: یہ تقریر ۱-۲ اگست ۱۹۸۱ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی

اسلام کی دو قسمیں

کمیونزم ایک سماجی نظریہ ہے۔ اس کا تعلق آدمی کی اپنی ذات سے نہیں بلکہ خارجی نظام سے ہے۔ کسی شخص کو جب کمیونزم کی دریافت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے اپنے تزکیہ یا اپنی نجات کے ایک راستہ کو دریافت کیا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایسا سماجی نظریہ ملا ہے جس سے وہ خارجی دنیا میں اپنے حوصلوں کو پورا کر سکتا ہے۔ ایک کمیونسٹ قربانی بھی دیتا ہے مگر یہ قربانی خارجی انقلاب کے لئے ہوتی ہے نہ کہ حقیقۃً کسی داخلی انقلاب کے لئے۔ اس کے برعکس ایک مومن کو جب تقویٰ کا تجربہ ہوتا ہے تو وہ اس کے لئے مکمل طور پر ایک داخلی واقعہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایک اندرونی انقلاب کے ہم معنی بن جاتا ہے۔

اسی طرح اسلام کو پانے کی دو سطحیں ہیں۔ ایک وہ اسلام ہے جس کو آدمی اپنے باہر باہر پاتا ہے۔ دوسرا اسلام وہ ہے جو آدمی اپنے اندرون میں پاتا ہے۔ اسلام کو اپنے باہر کی سطح پر پانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کمیونزم کو پالے۔ ایسا اسلام شکل کے اعتبار سے اسلام ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقی اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حقیقی اسلام وہ ہے جو اندر کی سطح پر ملے۔ جو پانی اور ہوا کی طرح آدمی کی غذا بن جائے۔

اسلام کو باہر کی سطح پر پانا یہ ہے کہ آدمی اسلام کو رسمی اعمال کی صورت میں پائے۔ کسی شخصیت یا کسی ادارہ کی سطح پر اس کو اسلام ملا ہو۔ کسی خارجی شور وغل کی صورت میں اس نے اسلام کی تعبیر حاصل کی ہو۔ اپنے سے باہر کچھ بحثیں اور تقریریں ہوں جن کو اس نے اسلام سمجھ لیا ہو۔ جلسوں اور مظاہروں میں مشغول ہونا اس کو اسلام نظر آتا ہو۔ اسلام کو اندر کی سطح پر پانا وہ ہے جب کہ اسلام آدمی کی اندرونی زندگی میں بھونچال بن کر داخل ہو۔ ایسے آدمی کو اسلام دل کی تڑپ کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ اس کے لئے خدا اور آخرت میں گم ہونے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایک اندرونی انقلاب کا پیغام بن جاتا ہے۔

پہلا اسلام احتساب خویش کا جذبہ ابھارتا ہے اور دوسرا اسلام احتساب اغیار کا۔ پہلا اسلام اعتراف کا مزاج بناتا ہے اور دوسرا اسلام لامتناہی بحثوں کا۔ پہلے اسلام میں آدمی ہر مسئلہ کو اپنا مسئلہ سمجھتا ہے اور دوسرے اسلام میں ہر مسئلہ کو دوسروں کا مسئلہ۔ پہلے اسلام کو پاکر آدمی کی زبان بند ہو جاتی ہے اور دوسرے اسلام کو پاکر آدمی کی زبان ہمیشہ سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ پہلے اسلام میں آدمی کی سرگرمیاں آخرت کے میدان میں جاری ہوتی ہیں اور دوسرے اسلام میں دنیا کے میدان میں۔ پہلے اسلام میں آدمی ہمہ تن خدا کی طرف دوڑتا ہے اور دوسرے اسلام میں خدا کا نام لے کر خود اپنی طرف۔

پلاسٹک کے پھل اور پھول

آجکل پلاسٹک کے پھول اور پھل بنتے ہیں۔ دیکھنے میں بالکل پھول اور پھل کی طرح معلوم ہونگے لیکن سونگھئے تو اس میں پھول کی خوشبو نہیں اور منھ میں ڈالئے تو اس میں پھل کا مزہ نہیں۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں دین داری کی عجیب وغریب قسم وجود میں آئی ہے۔ بظاہر اس میں دھوم کی حد تک دین دکھائی دے گا۔ لیکن قریب سے تجربہ کیجئے تو وہی چیز موجود نہ ہوگی جو دین کا اصل خلاصہ ہے: اللہ کا ڈر اور انسان کا درد ——— پلاسٹک کے دور میں شاید دین داری بھی پلاسٹک کی دین داری بن کر رہ گئی ہے۔

لوگ دین دار ہیں مگر کوئی شخص اپنی غلطی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کوئی شخص اللہ کی خاطر اپنی اکڑ ختم کرنا نہیں جانتا۔ ذاتی فائدہ کی خاطر بے شمار لوگ اپنے اختلاف اور شکایت کو بھول کر دوسروں سے جڑے ہوئے ہیں مگر خدا کی زمین پر کوئی نہیں جو خدا کے لئے اپنے اختلاف وشکایات کو بھول کر دوسرے سے جڑ جائے۔

دین اصلاً اس کا نام ہے کہ آدمی اس حقیقت کو پا جائے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ اسی نے تمام چیزوں کو بنایا ہے۔ وہ موت کے بعد تمام انسانوں کو جمع کرکے ان سے حساب لے گا اور پھر ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق یا تو ابدی جنت میں داخل کرے گا یا ابدی جہنم میں۔ یہ حقیقت اتنی سنگین ہے کہ اگر وہ فی الواقع کسی کے دل ودماغ میں اتر جائے تو اس کی زندگی کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کے بارے میں انتہائی حساس ہو جاتا ہے جو آدمی کو جہنم کی آگ میں پہنچانے والی ہے اور ان تمام چیزوں کا انتہائی مشتاق ہو جاتا ہے جو آدمی کو جنت کے باغوں کا مستحق بنانے والی ہیں۔ وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے لگتا ہے اور ہر چیز سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنی انفرادی ہستی کو خدا کی عظیم تر ہستی میں کھو دیتا ہے۔

خدا اور آخرت کے بارے میں اس کی بڑھی ہوئی حساسیت اس کو بندوں کے بارے میں بھی انتہائی محتاط اور ذمہ دار بنا دیتی ہے۔ ایک انسان سے بدخواہی کرتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ اپنے آپ کو جہنم کے گڑھے میں گرا رہا ہے۔ بندوں کے ساتھ سرکشی کا سلوک کرتے ہوئے وہ اس طرح ڈرنے لگتا ہے جیسے کہ ہر آدمی اپنے ساتھ جہنم کے فرشتوں کی فوج لئے ہوئے ہے۔ اپنے صاحب معاملہ افراد سے بے انصافی کرنا اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو جہنم کے گہرے غار میں دھکیل دیا ہے۔ اب کوئی انسان اس کی نظر میں محض ایک انسان نہیں ہوتا بلکہ ہر انسان ایک ایسا وجود ہوتا ہے جس کے ساتھ خدا اپنے تمام فرشتوں کے ساتھ کھڑا ہوا ہو۔

موت کو یاد کرو

کچھوا پانچ سو سال تک زندہ رہتا ہے۔ درخت ایک ہزار سال تک زمین پر کھڑا رہتا ہے۔ پہاڑ اور دریا کروڑوں سال تک اپنی شان کو باقی رکھتے ہیں۔ مگر انسان کی عمر پچاس سال یا سو سال سے زیادہ نہیں۔ انسان جو بظاہر تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف اور افضل ہے وہ سب سے کم زندگی پاتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ مختصر زندگی بھی ناکامیوں کی ایک مسلسل داستان کے سوا اور کچھ نہیں۔ آدمی کی زندگی غم اور دکھ سے اتنا زیادہ بھری ہوئی ہے کہ خوشی کے لمحات غفلت کی چند جھلکیوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ بیماری، حادثہ، بڑھاپا، امیدوں کی مسلسل پامالی کا نام زندگی ہے اور بالآخر اس قسم کے دردناک ایام گزارتے ہوئے ایک دن موت کے آگے شکست کھا جانا۔

ایک غریب کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس کے پاس بڑا مکان نہیں۔ اس کے پاس ضروریات زندگی کے لئے کافی پیسہ نہیں۔ مگر دوسری طرف ان لوگوں کا حال بھی بہت زیادہ مختلف نہیں جن کو ایک غریب آدمی رشک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ دولت مند آدمی کے لئے پیسہ ہونا اس سے زیادہ بڑے مسائل پیدا کرتا ہے جو غریب کو پیسہ نہ ہونے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ایک مشہور آدمی جس کے گرد انسانوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہو اندر سے اس قدر بے چین ہوتا ہے کہ رات کو گولی کھائے بغیر اسے نیند نہیں آتی۔ غرض اس دنیا میں ہر آدمی دکھی ہے، کوئی ایک صورت میں اور کوئی دوسری صورت میں۔

بالفرض کوئی شخص ناموافق حالات سے بچ جائے اور اس خوش قسمتی کو حاصل کرلے جس کو سکھ اور چین کہتے ہیں تب بھی کتنے دن تک۔ اگر کوئی شخص اتفاقی اسباب کے تحت خوشیوں کا خزانہ اپنے گرد جمع کرلے تو وہ بھی بس صبح سے شام تک کے لئے ہوگا۔ اس کے بعد اچانک موت کا بے رحم فرشتہ آئے گا اور اس کو اس طرح پکڑے گا کہ نہ اس کی دولت اس کو بچا سکے گی اور نہ اس کی فوج۔ ہوائی جہاز کے مسافر پر بھی موت اسی طرح قابو پالیتی ہے جس طرح ایک پیدل چلنے والے آدمی پر۔ وہ عالی شان محلوں میں بھی اسی طرح فاتحانہ داخل ہوجاتی ہے جس طرح ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں۔ موت آدمی کی سب سے بڑی مجبوری ہے۔

موت آدمی کو یاد دلاتی ہے کہ وہ آج سے اوپر اٹھ کر سوچے۔ وہ کامیابی کو زندگی کے اُس پار تلاش کرے۔ کامیاب وہ ہے جو موت سے یہ سبق لے لے۔ جو شخص یہ سبق لینے سے محروم رہے اس کی خوشیوں کے چراغ بہت جلد بجھ جائیں گے۔ وہ اپنے کو ایک ایسے بھیانک اندھیرے میں پائے گا جہاں وہ ابدالآباد تک ٹھوکریں کھاتا رہے اور کبھی اس سے نکل نہ سکے۔

اس وقت کیا ہوگا

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ مجھے قرآن کا کوئی حصہ پڑھ کر سناؤ (اقرأ علی) میں نے کہا، اے خدا کے رسول میں آپ کو قرآن سناؤں اور وہ آپ کے اوپر اترا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، مجھے پسند ہے کہ میں قرآن کو اپنے سوا دوسرے سے سنوں۔ میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا: فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بك علیٰ ھٰؤلاء شہیدا (پھر کیا ہوگا جب ہم ہر قوم سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور ان لوگوں پر تم کو گواہ بنا کر لائیں گے) آپ نے فرمایا، بس کرو۔ میں نے دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے (فاذا عیناہ تذرفان)

وہ وقت کیسا عجیب ہوگا جب خدا کی عدالت قائم ہوگی۔ کسی کے لئے ڈھٹائی اور انکار کا موقع نہ ہوگا۔ وہی شخص جس کو دنیا میں لوگوں نے بے قیمت سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا اسی کو خدا کی طرف سے اس خاص بندہ کی حیثیت سے سامنے لایا جائے گا جس کو خدا نے اپنی طرف سے لوگوں کو آنے والے دن سے باخبر کرنے کے لئے چنا تھا۔ جس کو لوگوں نے اپنے درمیان سب سے کمزور آدمی سمجھ لیا تھا وہی اس وقت خدا کے حکم سے وہ شخص ہوگا جس کی گواہی پر لوگوں کے لئے جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے۔

ان لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جو دنیا میں بہت بولنے والے تھے مگر وہاں اپنے آپ کو گونگا پائیں گے۔ جو دنیا میں عزت اور طاقت والے سمجھے جاتے تھے وہاں اپنے آپ کو بالکل بے زور دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ جب ان کا ظاہری پردہ اتار دیا جائے گا اور لوگ دیکھیں گے کہ دین کا لبادہ پہننے والے دین سے بالکل خالی تھے۔ جب کتنی سفیدیاں کالی نظر آئیں گی اور کتنی رونقیں اتنی قبیح ہو جائیں گی کہ لوگ اس کی طرف نظر کرنے سے بھی گھبرائیں گے۔

موجودہ دنیا میں لوگ مصنوعی غلافوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ کسی کے لئے خوبصورت الفاظ اس کی اندرونی حالت کا پردہ بنے ہوئے ہیں اور کسی کے لئے اس کی مادی رونقیں۔ مگر آخرت میں لوگوں کے الفاظ بھی ان سے چھن جائیں گے اور ان کی مادی رونقیں بھی۔ اس وقت ہر آدمی اپنی اصلی صورت میں سامنے آجائے گا۔ کیسا سخت ہوگا وہ دن۔ اگر آج لوگوں کو اس کا اندازہ ہو جائے تو ان کے الفاظ کی شدت ختم ہو جائے، کسی چیز میں ان کے لئے لذت باقی نہ رہے۔ دنیا کی عزت بھی ان کو اتنی ہی بے معنی معلوم ہو جتنا دنیا کی بے عزتی۔

مومن وہ ہے جو خدا کی پکار پر فوراً لبیک کہے

سورہ مائدہ میں یہ حکم اترا کہ اے ایمان والو، شراب اور جوا اور بت اور پانسہ بڑے گندے شیطان کے کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دے۔ اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم لوگ اس سے باز آؤ گے (فھل انتم منتھون) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن کا یہ حصہ اترا تو حسب عادت آپ نے اس کو پڑھ کر صحابہ کو سنایا۔ اس کو سناتے ہوئے جب آپ فھل انتم منتھون تک پہنچے تو صحابہ میں سے ہر شخص پکار اٹھا: انتھینا یا رب انتھینا یا رب (اے ہمارے رب ہم باز آئے، اے ہمارے رب ہم باز آئے)

لوگوں کے لئے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو لوگوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے

معمر تابعی کہتے ہیں کہ صحابہ یہ کہا کرتے تھے کہ تمہارا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہے جو تمہارے بارے میں اللہ سے ڈرے (انصح الناس لك من خاف اللہ فیك، جامع العلوم والحکم ۱۷)

وہ رسول اللہ کے فیصلہ سے ہٹنا نہیں جانتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں رومیوں سے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار فرمایا تھا۔ تین ہزار کے اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ ان کے اوپر اسامہ بن زید کو امیر مقرر فرمایا تھا جو نسبتاً ایک نوجوان شخص تھے۔ حسن بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو جیش اسامہ ابھی راستہ میں تھا۔ اسامہ بن زید رضؓ نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ خلیفہ رسول کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ ہم کو مدینہ لوٹنے کی اجازت دے دیں۔ ضرورت ہے کہ اس وقت سب سے پہلے مرتدین کا مقابلہ کیا جائے جو مدینہ کے لئے خطرہ بنتے جا رہے ہیں۔ حضرت عمر چلے اور حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ انھوں نے آپ کو حضرت اسامہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اگر کتے اور بھیڑیے مجھ کو پھاڑ کھائیں تب بھی میں اس فیصلہ کو بدلنے والا نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: انصار نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ان کا یہ پیغام آپ تک پہنچاؤں کہ وہ ایک ایسا امیر چاہتے ہیں جو عمر میں اسامہ سے زیادہ ہو۔ حضرت ابوبکر اس وقت بیٹھے ہوئے تھے یہ سن کر جھپٹ پڑے اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا: اے خطاب کے لڑکے! تیری ماں تجھ کو گم کرے اور معدوم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر مقرر کیا ہے اور تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں ان سے امارت چھین لوں (ثکلتك امك وعدمتك یا ابن الخطاب، استعملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتامرنی ان انزعہ، البدایہ والنہایہ جلد ۶)

اللہ کا نام آتے ہی گردن جھکا دینا

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تھے۔ اتنے میں آپ نے تیز تیز آوازیں سنیں۔ دروازہ کے باہر دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے۔ ایک نے دوسرے کو قرض دیا تھا جس کے ذمہ قرض تھا وہ کہہ رہا تھا

کہ قرض کی مقدار میں کچھ کمی کر دو۔ مگر قرض دینے والا اس کو نہیں مان رہا تھا۔ اس نے غصہ میں آکر کہا: واللہ لا افعل (خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر ان کے پاس گئے اور فرمایا: کون ہے قسم کھانے والا جو اللہ پر قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نیکی نہیں کروں گا۔" آپ کی زبان سے یہ سنتے ہی وہ شخص نرم پڑ گیا اور بولا: وہ شخص میں ہوں اے خدا کے رسول۔ اب اس کے لئے وہی ہے جو وہ پسند کرے (انا یا رسول اللہ، فلہ ای ذلک احب، متفق علیہ)

نجات ان کے لئے جو رسول اور اصحاب رسول کے نمونے پر چلیں

ان الیھود اختلفوا علی احدی وسبعین فرقۃ وان النصاری اختلفوا علی اثنین وسبعین فرقۃ وستفترق ھذہ الامۃ علی ثلاث وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ۔ قالوا من ھم یا رسول اللہ قال: ما انا علیہ واصحابی

یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاری بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب آگ میں جائیں گے سوا ایک کے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں اے اللہ کے رسول، فرمایا: وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ثالث صفحہ ۶۶)

اللہ کی یاد سب سے بڑی عبادت ہے

قال قتادہ قال ابن عباس: تذاکر العلم بعض لیلۃ احب الی من احیائھا (جامع بیان العلم، جزء اول، صفحہ ۲۴) عبداللہ بن عباس رض نے کہا: رات کے کچھ حصہ میں دینی مذاکرہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات عبادت کروں۔

انسان سے کم، اللہ سے زیادہ

قال ثور بن یزید۔ قرأت فی بعض الکتب ان عیسی علیہ السلام قال: یا معشر الحواریین کلموا اللہ عزوجل کثیرا وکلموا الناس قلیلا۔ قالوا: کیف نکلم اللہ کثیرا۔ قال: اخلوا بمناجاتہ، اخلوا بدعائہ (اخرجہ ابونعیم)

ثور بن یزید کہتے ہیں۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے کہا۔ اے لوگو! اللہ سے زیادہ باتیں کرو اور انسانوں سے کم باتیں کرو۔ انھوں نے پوچھا۔ کس طرح ہم اللہ سے زیادہ باتیں کریں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا: —— تنہائیوں میں اللہ سے سرگوشیاں کرو، تنہائیوں میں اللہ سے دعا مانگو۔

اللہ والے وہ ہیں جو قرآن والے ہیں

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں کچھ اللہ والے ہوتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ اے خدا کے رسول وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا: وہ قرآن والے ہیں (عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنّ لِلّٰہِ اَھْلِیْنَ من الناس، قیل مَن ھُم یا رسول اللہ قال اھل القرآن، سنن الدارمی)

محبت کے بجائے نفرت

"میں مراد آباد میں پیدا ہوا۔ پھر دس برس بجنور میں رہا۔ ۱۶ برس دہلی میں اور اب ۳۵ برس سے حجاز میں ہوں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتوے کی بنا پر میں ہندستان کو دارالحرب جانتا تھا اور اس کے قیام کو حرام۔ اسی نظریہ کے تحت انگریزی دور میں ہندستان سے ہجرت کی، بلکہ ہجرت شرعی سے بھی کچھ زیادہ۔ یہ معاملہ میری نظر میں اتنا سنگین تھا کہ حجاز آنے کے بعد دوبارہ ہندستان واپس جانے کے تصور کو بھی میں ناجائز خیال کرتا تھا۔ ایک بار میں بیوی کے ساتھ حج کے لئے گیا ہوا تھا۔ عرفات کا میدان تھا اور عصر و مغرب کے درمیان کا وقت۔ یہ وقت میدان عرفات میں گناہوں کی بخشش کا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہ گناہوں کی معافی کا وقت ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ حقوق العباد کا ہوتا ہے۔ مجھ سے تمھارے حقوق کی ادائگی میں جو کوتاہی ہوئی ہو اس کو معاف کردو۔ بیوی نے کہا کہ ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ تم مجھ کو ہندستان لے جاکر ایک بار مجھے میرے عزیزوں سے ملا دو ۔ ہندستان کا نام سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں اور ہندستان۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ایک طرف دوزخ ہو اور دوسری طرف ہندستان تو تم دونوں میں سے کس کو ترجیح دوگے۔ اس کے بعد میں نے جو فیصلہ کیا وہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں"

یہ ایک بزرگ کی خود نوشت کہانی کا ایک حصہ ہے جو انھوں نے دہلی کے ایک اردو روزنامہ (۵ اگست ۱۹۸۱) میں شائع کی ہے۔ یہ کوئی ایک کہانی نہیں، اس قسم کی ان گنت کہانیاں ہیں جو ساری مسلم دنیا میں بکھری ہوئی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ایسے بے شمار لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے غیر مسلم قوموں کو اسلام کا حریف سمجھ کر ان سے نفرت کی۔ مگر وہ ان کو اسلام کا مدعو اور مخاطب سمجھ کر ان سے محبت نہ کرسکے۔ ان خیالات کے تحت بے شمار لوگ ایسے ہجرت اور جہاد میں مصروف رہے جس کا کوئی فائدہ نہ دینی صورت میں نکلنے والا تھا اور نہ دنیوی صورت میں۔

کیسی عجیب بات ہے۔ لوگوں نے ہندستان کو دارحرب سمجھا مگر وہ اس کو دار دعوت نہ سمجھ سکے۔ ہندوؤں کو انھوں نے غیر قوم قرار دیا مگر وہ ان کو مدعو قوم قرار نہ دے سکے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کو لوگوں نے شیطان کے بندے کہہ کر ان کے خلاف جہاد کیا مگر وہ ان کو خدا کے بندے سمجھ کر ان کو خدا سے قریب لانے کی کوشش نہ کرسکے۔ انھوں نے مسلم حکمرانوں اور بادشاہوں کو ظالم ٹھہرا کر ان کی ہلاکت کے منصوبے بنائے مگر وہ ان کو اپنا بھٹکا ہوا بھائی جان کر ان کی اصلاح کی خیر خواہانہ کوشش نہ کرسکے۔ کیسی عجیب تھی یہ ہجرت اور کیسا عجیب تھا یہ جہاد۔ اس عجیب و غریب ہجرت اور جہاد کے نتیجہ میں اگر موجودہ دنیا میں اسلام کو غلبہ حاصل نہ ہوسکا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

نادان دوستوں سے بچاؤ

ایک شخص کے پاس ایک گدھا تھا۔ وہ اس گدھے پر سواری کرتا تھا۔ ایک روز آدمی اس پر چڑھا تو گدھے نے اس کو زمین پر پٹک دیا۔ آدمی کو سخت چوٹ آئی۔ مالک کی چوٹ دیکھ کر گدھا سنجیدہ ہوگیا اور اس کو دوبارہ اپنی پیٹھ پر بٹھاکر روانہ ہوا۔ مالک خاموش ہوگیا کہ دیکھو یہ گدھا کہاں جاتا ہے۔ گدھا اس کو لے کر سیدھا اسپتال پہنچا۔ آدمی کے محلہ والوں کو جب معلوم ہوا کہ گدھے نے اس کو پیٹھ سے گرادیا تھا اور اس کے بعد اس کو اٹھاکر اسپتال لے گیا تو انھوں نے اس آدمی کو مبارک باد دی کہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم کو ایسا اچھا گدھا ملا ہے۔ آدمی نے کہا: ہاں گدھا تو اچھا ہے مگر وہ مجھ کو جہاں لے گیا وہ مویشیوں کا اسپتال تھا۔

یہ ایک تمثیل ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اخلاص کے ساتھ عقل بھی ضروری ہے۔ آدمی اگر بے وقوف ہو تو اس کا اخلاص بھی ویسا ہی ہوگا جیسا مذکورہ گدھے کا اخلاص۔ وہ ایک آدمی کی تکلیف پر دکھی ہوگا اور اس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر اسپتال لے جائے گا۔ مگر وہ جس اسپتال میں اس کو پہنچائے گا وہ "مویشیوں" کا اسپتال ہوگا نہ کہ "آدمیوں" کا اسپتال۔

بدقسمتی سے موجودہ زمانہ میں ہماری قوم اسی قسم کے مخلص نادانوں کی مہربانیوں کا شکارگاہ بنی ہوئی ہے۔ ہر قائد نہایت اخلاص اور دردمندی کے ساتھ قوم کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ مگر وہ قوم کی اصلاح کے لئے ایسی تدبیریں کرتا ہے جو قوم کے مرض کو اور بڑھانے والی ہوں نہ کہ اس کو گھٹانے والی۔

ہماری جدید قومی تاریخ کا سب سے زیادہ الم ناک واقعہ یہ ہے کہ ہر قائد کو لاکھوں، بعض اوقات کروڑوں ساتھی اور بے شمار اسباب و وسائل ملے۔ ہر قائد اپنے مقررہ نشانہ کو حاصل کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ مگر اس کے باوجود قوم کی مغلوبیت اور زبوں حالی میں کوئی کمی نہ ہوسکی۔ بلکہ مسائل کی پیچیدگیاں دن بدن بڑھتی چلی گئیں۔ شاندار کامیابیوں کے باوجود شاندار ناکامی کی وجہ وہی مخلصانہ نادانی ہے۔ ہر قائد قوم کو اپنی پیٹھ پر لاد کر اسپتال پہنچا رہا ہے۔ مگر وہ جس اسپتال میں پہنچاتا ہے وہ مویشیوں کا اسپتال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مویشیوں کے اسپتال کے علاج سے انسان کا مرض اچھا نہیں ہوسکتا ——— چھوٹی سی بات پر لڑکر بڑے نقصان کو دعوت دینا، ایک معمولی مسئلہ کے نام پر ادھم مچا کر دوسرے ناقابل حل مسائل کھڑے کرلینا، جلسے جلوس کے تماشوں کو عہد ساز اور تاریخ آفریں بتاکر قوم کی بے حساب طاقت اس میں برباد کردینا، سب اسی نادانی کی مثالیں ہیں (۲۸ مئی ۱۹۸۱)

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زرتعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی ثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

آزادی کے
34 سال
کامیابیاں اور مُستقبل

- ☐ ہم نے ایک خود انحصار معیشت کی بُنیادیں بنا لی ہیں
- ☐ خوراک میں خود کفیل ہو گئے ہیں، اپنے صنعتی ڈھانچے کو متنوع بنا لیا ہے اور سائنس اور ٹکنالوجی میں اہم ترقی کی ہے۔

1985ء تک

ہم نے اپنے عوام کے مزید چھوٹے حصے کو غریبی کی سطح سے اوپر

اُٹھانے اور ان تمام دیہات کو پینے کا صاف پانی، جہاں یہ دستیاب نہیں، فراہم کرنے کا

اور 2000ء تک

کوڑھ کو ملیامیٹ کرنے اور شرح پیدائش کو 36 سے کم کر کے 21 فی ہزار کرنے کا عزم کر رکھا ہے

دن چڑھے گا، یقین واثق رکھیں

(رابندر ناتھ ٹیگور)

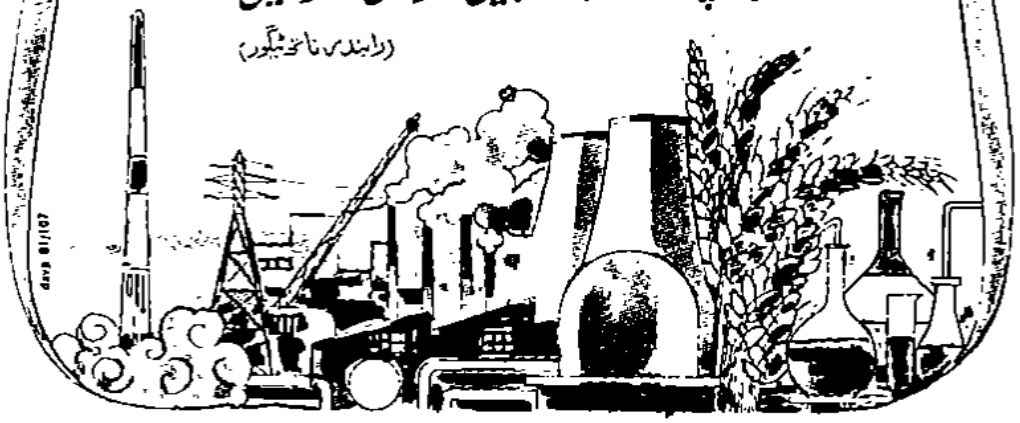

Lessons in Islām

ENGLISH TRANSLATION OF MUFTI MUHAM-MAD KIFAYATUL-LĀH'S

TA'LĪMUL ISLĀM

The most authentic book of its kindon the fundamentals of Islām for the first time Rendered into chaste English

PLEASE BOOK YOUR ORDERS IMMEDIATELY

PRICE DELUX RS. 18-00 — PAPER BACK RS. 15-00

We also Supply the Holy Quran and all Standard Islmic books.

KUTUB KHANA AZIZIA

URDU BAZAR, JAMA MASJID, DELHI-110006-INDIA

Phone: 26 64 22

دین کی سیاسی تعبیر

(خلاصہ: تعبیر کی غلطی)

مولانا وحید الدین خاں

تنقید کی اہمیت دین میں
غلطی کی جدید نوعیت
یہ دین کی سیاسی تعبیر ہے
زیر تبصرہ لٹریچر اپنے اقتباسات کی روشنی میں
آیات واحادیث سے غلط استدلال
تعبیر کی غلطی کے اثرات بہت دور تک جاتے ہیں
حقیقت کا اعتراف کیجئے
ذہنیت آدمی کی رائے پر اثر انداز ہوتی ہے

قیمت
دو روپیہ
(زیادہ خریداری پر خصوصی کمیشن)

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پوری قوّت اور
پورا فائدہ مِلتا ہے؟

اپنی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا اِس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی اجزاء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا، دارچینی، تیزپات، تلسی وغیرہ جیسی چودہ ۱۴ جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکّب سے آپ کے نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن اس کی مدد سے آپ کی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ اور بھرپور قوّت حاصل کرتا ہے۔

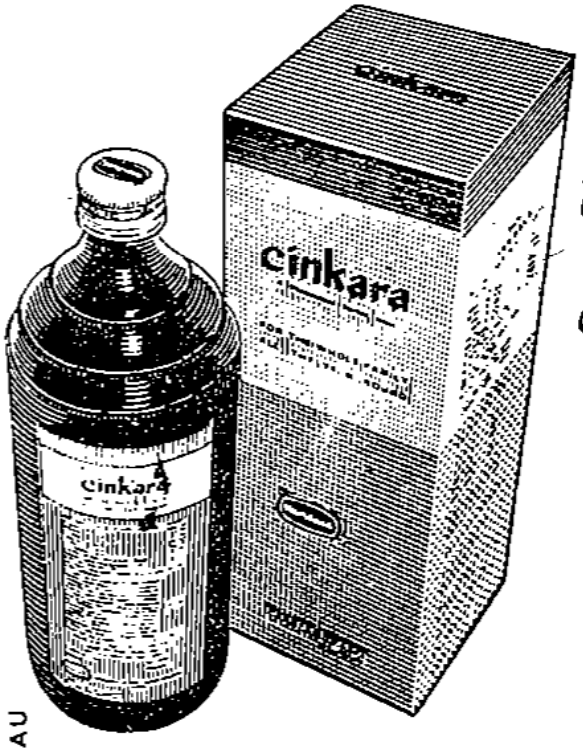

سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں
سب کے لیے بے مثال ٹانک

ہمدرد

HD-5949 AU

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. NO. D. (DN) 532

ISSUE NO. 58
SEPTEMBER 1981

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱۔ الاسلام	۱۵-۰
۲۔ مذہب اور جدید چیلنج	۱۵-۰
۳۔ ظہورِ اسلام	۱۵-۰
۴۔ دین کیا ہے؟	۲-۰
۵۔ قرآن کا مطلوب انسان	۵-۰
۶۔ تجدیدِ دین	۳-۰
۷۔ اسلام دینِ فطرت	۳-۰
۸۔ تعمیرِ ملت	۳-۰
۹۔ تاریخ کا سبق	۳-۰
۱۰۔ مذہب اور سائنس	۵-۰
۱۱۔ عقلیاتِ اسلام	۳-۰
۱۲۔ فسادات کا مسئلہ	۲-۰
۱۳۔ انسان اپنے آپ کو پہچان	۱-۰
۱۴۔ تعارفِ اسلام	۲-۵۰
۱۵۔ اسلام پندرھویں صدی میں	۲-۰
۱۶۔ راہیں بند نہیں	۳-۰
۱۷۔ دینی تعلیم	۳-۰
۱۸۔ ایمانی طاقت	۳-۰
۱۹۔ اتحادِ ملت	۳-۰
۲۰۔ سبق آموز واقعات	زیرِ طبع
۲۱۔ اسلامی تاریخ سے	"
۲۲۔ قال اللہ	"
۲۳۔ اسلامی دعوت	۳-۰
۲۴۔ زلزلۂ قیامت	۴-۰
۲۵۔ سچا راستہ	۱-۰

مکتبہ الرسالہ - دہلی-۶